SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Sunday March 6. 1988

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad at ten of the clock in the morning with Mr. Chairman (Mr. Ghulam Ishaq Khan) in the Chair.

(Recitation from the Holy Quran)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ
مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(سورہ ال عمران آیات ۱۰۲، ۱۰۳)

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Sunday March 6. 1988

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad at ten of the clock in the morning with Mr. Chairman (Mr. Ghulam Ishaq Khan) in the Chair.

(Recitation from the Holy Quran)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ

مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(سورہ آل عمران آیات ۱۰۲، ۱۰۳)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے اور جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلم ہو اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رکھو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سناتا رہتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو۔

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین: جزاک اللہ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) عبدالقیوم خان نے ناسازیٔ طبع کے باعث ایوان سے یکم تا ۸ مارچ کے لئے رخصت کی درخواست کی ہے، کیا آپ درخواست منظور فرماتے ہیں؟

(درخواست منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: جناب ابراہیم بلوچ صاحب کسی سرکاری کام میں مصروف ہونے کی بنا پر اجلاس میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔ یہ انہوں نے اطلاع بھیجی ہے۔ اب تحریک التوا لیتے ہیں۔

FATEHA

جناب عبدالرحیم میرداد خیل: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب چیئرمین: جی فرمایئے جناب میرداد خیل صاحب؟

جناب عبدالرحیم میرداد خیل: جناب والا! یہ ایک نہایت ہی افسوسناک خبر ہے کہ جمعیت العلمائے اسلام کے مرکزی رہنما جو کہ اس کے صدر تھے، نہ صرف صدر ہی تھے بلکہ ایک سیاسی رہنما اور ممتاز عالم دین بھی تھے، انتقال فرما چکے ہیں۔ اُن کے لئے دعا مغفرت کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی آج کے اخبار میں ایک خبر چھپی ہے کہ چار مزدور نان شبینہ کے لئے کام کر رہے تھے جو کہ چھت گرنے سے وفات پا چکے ہیں، اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ان سب کے لئے دعا مغفرت کی جائے۔

جناب چیئرمین: آپ سے مجھے اتفاق ہے۔ میں ایوان سے درخواست کرتا ہوں کہ ان چار اصحاب کے لئے جو چھت کے گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں اور مولانا صاحب کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ آپ یہ دعا فرمائیں۔

(جناب عبدالرحیم میرداد خیل نے دعائے مغفرت مانگی)

اب ایڈجرنمنٹ موشن لیتے ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد: جناب چیئرمین، میں نے ایک پرولیج موشن کل بھیجی تھی، جو غالباً afternoon میں یہاں Receive ہوئی ہے لیکن پرولیج موشن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ رولز کے مطابق اگر دو گھنٹے پہلے بھی مل جائے تو اسے ایوان میں آنا چاہیے میری اطلاع یہ ہے کہ کم از کم آج صبح وہ آن دی ریکارڈ آچکی تھی، کیا وہ آپ تک پہنچ چکی ہے۔

جناب چیئرمین: جو آپ نے فرمایا ہے وہ صحیح ہے لیکن میں نے دیکھی نہیں ہے میرے تک نہیں پہنچی ہے۔

پروفیسر خورشید احمد: کیا آپ آج اسے لینا پسند فرمائیں گے یا پرسوں۔

جناب چیئرمین: میرے خیال میں پہلے میں دیکھ لوں کہ یہ کیا ہے کیونکہ پرولیج موشن چیئرمین کی Permission کے بغیر پڑھی نہیں جا سکتی۔

پروفیسر خورشید احمد: اسی لئے میں، آپ سے پوچھ رہا ہوں۔

جناب چیئرمین: میں نے ابھی تک اس موشن کو دیکھا نہیں ہے، میرے پاس ابھی نہیں پہنچی ہے۔ اگر یہ ایڈمیسیبل ہوئی تو اسے پرسوں لیں گے۔

پروفیسر خورشید احمد: جی بہتر

ADJOURNMENT MOTIONS

(1) *RE*: REPORTED STATEMENT OF INDIAN P.M. ON THE ISSUE OF SIACHEN GLACIER

جناب چیئرمین: اب ایڈجرنمنٹ موشنز لینی ہیں۔ پچھلے اجلاس میں جناب مولانا کوثر نیازی صاحب، پروفیسر خورشید احمد صاحب اور محمد طارق چوہدری صاحب کی تینوں ایڈجرنمنٹ موشنز پر

On the reported statements of the Indian Prime Minister on the issue of the Siachen Glacier

ایڈمیسیبلٹی کی حد تک بحث ہوئی تھی لیکن اس بحث کو ہم نے مؤخر کیا تھا کہ رانا نعیم صاحب ایوان کو مطلع کریں کہ آیا گورنمنٹ نے پرائم منسٹر انڈیا کے بیان کا نوٹس لیا ہے یا نہیں اگر نوٹس لیا ہے تو اس بیان پر کیا کارروائی ہوئی ہے اور اس بیان پر پروٹسٹ کرنا چاہیے تھا تو کیا یہ Formal Protest Lodge ہوا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مولانا کوثر نیازی کی دوسری موشن پر جو کہ انڈیا کے صدر کے متعلق تھی جس میں کہ اسی طریقے کی دھمکیوں کا ذکر تھا عرض کیا تھا کہ جو اس سلسلے میں آپ کے پاس انفارمیشن ہوں وہ ہاؤس کو فراہم کر دیں، جناب رانا نعیم صاحب۔

REPORTED STATEMENT OF INDIAN P.M. ON THE ISSUE OF SIACHEN GLACIER

Mr. Chairman : Rana Naeem Mahmud Khan.

Rana Naeem Mahmud Khan : Thank you, Mr. Chairman .

Mr. Chairman, I would like to make a short statement. The honourable Members will recall that in response to their adjournment motions I had made a statement on February the 28th, explaining Pakistan's position at length, with regard to the Siachen Glacier area. The Indian Charge D' Affaires was summoned to the foreign office on March the 2nd. He was told that Pakistan had taken a very serious note of the statement reportedly made by the Indian Prime Minister on February the 8th, 1988 claiming ownership of the Siachen area. We conveyed our serious concern and consternation at the contents of the reported statement. The Indian Charge D' Affaires was told that the remarks made by the Indian Prime Minister were patently untenable and Pakistan could not accept them. It was also pointed out to him that the statements flew in the face of the agreement reached between the President of Pakistan and the Prime Minister of India in New Delhi on December 17, 1985 as well as that reached between the two Prime Ministers in Kathmandu in November, 1987 for a peaceful and negotiated settlement of the Siachen dispute. It was further pointed out that the joint statements issued at the two meetings of the Defence Secretaries of Pakistan and India held in January and June 1986, emphatically underlined that both countries were seeking a peaceful and negotiated settlement of the Siachen issue. The Indian Charge D. Affaires was also told of our hope that in future such statements would not be repeated by the Indian side so as the climate is maintained for a peaceful settlement of all dispute through negotiations which will be conducive in normalization of relations between the two countries. The Indian Charge D. Affaires undertook to convey our concern to his authorities. Sir, it would be observed from the statement that proper notice has been taken and action taken on the serious situation that has been pointed out by the honourable Members Thank you, Sir.

<u>**جناب چیئرمین**</u> : شکریہ ۔ وزیر محترم نے جو فرمایا ہے اس کی روشنی میں آپ کچھ اور ارشادات فرمانا چاہیں گے یا ریزولیوشن کو پریس کرنا چاہیں گے میں اتنا عرض کردوں کہ اس ہاؤس کی جو سابقہ رولنگز رہی ہیں ان کے مطابق :۔

Conduct of a foreign government and that apparently includes the head of that government also & also events in a foreign country on which the Government of Pakistan has no control cannot be debated in the House by way of adjournment motion. They certainly can be brought under review and discussed and debated when there is a general debate on foreign policy but not as a specific issue by way of adjournment motions.

تو یہ آپ صاحبان تک ہے اگر آپ پریس کرنا چاہتے ہیں تو . . . .

مولانا کوثر نیازی : وزیر صاحب کی وضاحت کے بعد پریس نہیں کرتا۔

Mr. Chairman : Not pressed

خورشید صاحب آپ agree کرتے ہیں۔

Prof. Khurshid Ahmed : The same

جناب چیئرمین : طارق چوہدری صاحب۔

جناب محمد طارق چوہدری : جناب ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔

جناب چیئرمین : تو مولانا صاحب کو ہاتھی کا خطاب مل گیا۔

مولانا کوثر نیازی : مگر سفید۔

Mr. Chairman : Next one in the name of Maulana Kausar Niazi on the statement of the Indian President made in the Indian Parliament on the 2nd of February.

اُس کے متعلق جناب رانا صاحب۔

Rana Naeem Mahmud Khan : The motion has not been moved by the honourable Member yet, Sir.

Mr. Chairman : It has not been formally moved, that is quite true but it is very much linked with what we have decided.

آپ اگر **move** کرنا چاہتے ہیں تو move کریں مولانا کوثر نیازی صاحب۔

(II) *RE*: Statement of Indian President Made in the Indian Parliament

مولانا کوثر نیازی: جناب والا! میری تحریک یہ ہے کہ بھارت کے صدر وینکٹ رامن نے لوک سبھا اور راج سبھا کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کو دھمکی دی ہے کہ وہ پاکستان کے شورش زدہ علاقے بالخصوص سندھ میں پاکستان کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ بھارتی صدر نے یہ دھمکی دیتے ہوئے پاکستان پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ وہ سکھ دہشت پسندوں کو امداد مہیا کر رہا ہے۔ بھارتی صدر کی یہ دھمکی غیر معمولی ہے اور میں تحریک کرتا ہوں کہ اجلاس کی کارروائی ملتوی کر کے اس پر بحث کی جائے۔

Rana Naeem Mahmud Khan: Opposed, Sir.

جناب چیئرمین: اگر وضاحت کرنا چاہیں تو کریں، مولانا صاحب۔

مولانا کوثر نیازی: جناب والا! اس تحریک کی وضاحت کی مجھے خبر ہے کہ بھارتی سفیر متعینہ پاکستان نے اپنے ایک بیان میں یہ کہا ہے کہ اس طرح کا کوئی بیان انڈین صدر نے نہیں دیا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ یہ بیان بھارت کے اخبارات میں بھی شائع ہوا ہے۔ اور بھارتی سفیر کی یہ وضاحت اس وقت مؤثر ہو سکتی تھی جب بھارتی صدر خود اس کی تردید کرتے اور وہاں کے اخبارات میں بھی یہ تردید شائع ہوتی۔ لگتا یہ ہے کہ یہ after thought ہے اور بھارتی سفیر نے بات بنانے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے مسئلہ زیر بحث پر اس لئے اثر نہیں پڑتا کہ بھارت کے عزائم اس سے ضرور کھل کر سامنے آ گئے ہیں اور یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اس کی نظریں پاکستان مزید ٹکڑوں میں بانٹنے پر لگی ہوئی ہیں اور جو ہمارے علاقے میں شورش ہوتی ہے ان سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا ہے اور سندھ کا حوالہ اس میں خاص طور پر محل نظر ہے۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ چونکہ ہاتھی کی مثال چل نکلی ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

ایک معزز رکن : صحیح فرمایا ہے آپ نے ۔

جناب چیئرمین : جناب رانا نعیم صاحب ۔

Rana Naeem Mahmud Khan : Thank you Mr. Chairman. Mr. Chairman, the honourable Member has based his adjournment motion on news reports published in a section of the press quoting the Indian President as having said that Pakistan should not help Sikhs as Sind is in our view. The honourable member himself has stated that this news has been denied by the Indian Ambassador not only it is (in the news) that it has been denied it has been denied to us officially also. However, with you permision Sir, I would like to make a short statement on this. It is however, true that the Indian President in a statement alleged that Pakistan continues to assist the terrorists and the secessionist elements in India and that is what I would like to make our position very clear. This august House is no doubt aware that this is not the first time that such a baseless and a motivated allegation has been made by the Indian leaders. We have repeatedly and categorically denied these unfounded acquisitions.

Pakistan has no interest whatsoever in fomenting any trouble in India. De-stabilizing our borders is not in our interest. We oppose terrorism in all its forms and have infact offered to join India in undertaking solemn obligations against allowing the use of respective terrorists for any acts directed against the internal peace, stability or territorial integrity of the other State. It is regretable that the statement made by the Indian President does not take into account Pakistan's consistent policy of non–interference in India's internal affairs and its sincere efforts to promote the process of normalization of relations between the two countries. Such statements are obviously meant to externalise India's own internal problem and cannot but have an adverse & dampening affect on our efforts to seek harmony with India. Sir, in the light of your observations about the previous adjournment motion, my statement and the honourable member's own statement regarding the denial of the report, I request the honourable Member not to press the motion. Thank you, Sir.

مولانا کوثر نیازی : جناب وزیر صاحب کی وضاحت کے بعد میں پریس نہیں کرتا ۔

Mr. Chairman : Not pressed. Next one. Mr. Javed Jabbar No. 14. On the expected increase in the fuel adjustment charges for the consumers in KESC network.

(iii) *RE* : INCREASE IN THE FACT ADJUSTMENT CHARGES FOR THE CONSUMERS IN KESC NETWORK

Mr. Javed Jabbar : Thank you Mr. Chairman. I ask for leave to move that this House do now adjourn to discuss a matter of urgent public importance and of recent occurrence namely the decision to increase fuel adjustment charges for industrial consumers of the network of the Karachi Electric Supply Corporation.

Malik Said Khan Mahsud : Opposed, Sir.

Mr. Chairman : Opposed. Mr. Javed Jabbar.

Mr. Javed Jabbar : Mr. Chairman, as regards the admissibility the self evident arguments contained in the words "urgent public importance and recent occurrence" don't need to be reiterated or repeated. The industry of Karachi has a very special status As is well known industry and commerce both from the very inception of Pakistan, has provided the major thrust of industrial development and yet in recent time particularly it has been engulfed by a production crisis of unprecedented magnitude which is now accompanied by a social crisis which is directly affecting productivity and efficiency. The decision, therefore, to revise the Fuel Adjustment (FAC) at this particular time in Karachi's history is anticipated to have a disastrous effect on industrial activity and on all other aspects of life in Karachi.

Mr. Chairman, the industry of Karachi already pays the normal minimum fixed charges wherever applicable, energy charges or factor charges And in terms of the admissibility of this motion what is very disturbing that the Federal Minister for Planning and Development had assured a delegation of industrialists and businessmen of Karachi earlier when this issue was discussed that the Government would ensure that a uniformed rate structure would be applied so that the industry of Karachi is not discriminated against as compared to industry in other parts of Pakistan and therefore, this decision which is to take effect with March 1988 is contrary to this assurance held out to the industrialists of Karachi. Therefore, I press for the admissibility of this motion.

Malik Said Khan Mahsud : Mr. Chairman Sir, I oppose it because this is an old matter, the increase was decided in budget and I will briefly give my statement if you permit me Sir.

Mr. Chairman : Please.

Malik Said Khan Mahsud : The FAC of Karachi Electric Supply Corporaiton depends on the cost of fuel consumed in the Power Houses Karachi and is worked out on the basis of formula enforced since the last two decades. After increase in the prices of gas in 85–86, the FAC of KESC went up from 17 paisas to 89 paisas, therefore, there was great resentment among the consumers of Karachi and the matter was considered by the Cabinet. It was decided to restrict the FAC of KESC to paisa sixty three per kilowatt/Unit and KESC was given a subsidy of Rs. 530 million per annum. The above FAC was based on the cost of gas at Rs. 38.54 per MMCF and cost of furnace oil supplied to KESC at Rs. 1384.53 per unit. During the budget of 1987-88 the cost of gas was raised by Rs. 9/- per MCF and the cost of oil by Rs. 330/- per ton and this resulted in the increase in the FAC of KESC by Rs. 21.50 per unit. If the small level of subsidy was maintained following alternatives were available for dealing with the situation.

> To maintain the subsidy to KESC at the level of 53 crores per year as at present, it would increase the FAC of KESC to paisa 84.5 per unit and the overall tariff for Industry to paisas 148 per unit. The difference between the WAPDA and KESC tariff will become a paisas 37 per cent to maintain the FAC of KESC at the existing level of paisas 63. This will require an annual subsidy of Rs. 1058 million and reduce the difference between the overall tariff of WAPDA and KESC industrial consumers to paisas 15 per unit. To keep the difference between WAPDA and KESC consumers at the existin existing level this will result in an increase of FAC of KESC to paisas 76.7 per unit and KESC to Paisas 140 per unit. The amount of subsidy required will be reduced from Rs.1058 million to Rs. 737 million. The Government decided that the resource position did not permit taking more burden than what had already been provided and Ministry of Water and Power was advised to suggest reduction of FAC and other

alternate solution. As suggested to deduction of FAC by another alternate solution, keeping the subsidy at the current level of Rs. 53 crores as mentioned in the alternative one, the KESC tariff would have been increased by paisas 21.4 and a lot or burden wouldhave been put to KESC's industrial consumers. Therefore, the Ministry for Water and Power proposed alternative No. 3 above for Government approval. The Economic Coordination Committee of the Cabinet approved increase of KESC – FAC from current paisas 63 to 76.7 paisas per unit. Even now the Government has to pay subsidy to KESC. The decision to increase the FAC was enforced by the Provincial Government from mid February, 1988 instead of 1st July 1987 when the budget was passed. This has caused a further loss to the Government.

From the above, it appears that the increase in FAC is the direct result of increase in the price of oil and gas approved by the National Assembly in the budget. The Government has not passed the whole increase in the prices to consumers of Karachi what has been done is that partially subsidy has been increased by the government to partly off set the increase in FAC.

Mr. Chairman : Thank you. Any thing further which Mr. Javed Jabbar now wishes to add.

Mr. Javed Jabbar : Mr. Chairman, you see the honourale Minister has given us a whole series of data and statistics which one could say are relevant. Certainly I am not saying that it is dismissive but unfortunately the response to the seriousness of the problem seems to be simply to spell out lemur .s. Now the situation in Karachi can not be dealt with by simply saying that the Government is minimizing the burden imposed on the industry. One realizes the significance of the figures, Karachi's present condition requires a special understanding of the social, economic and political factors that are affecting industry and productivity. And one expected that the Government in this situation would not resort to a purely accounting type of formula to deal with the crisis that requires a conceptual and political approach. Sometimes the problems of industry can not be dealt with by simply saying that two plus

[Mr. Javed Jabbar]

two is equal to four. In the situation that Karachi finds itself and Pakistan finds itself two plus two does not equal to four, it equals to three and a half because that crucial half is the unknown, uncontrolable factor by which the entire commercial and industrial life of Karachi is paralyzed. Therefore, this increase coming at this time will represent a setback not only to Karachi, I want to emphasize this Mr. Chairman, it will have repercussions on the entire country's economy and I would have expected that the Government instead of taking this approach would have consulted the leaders of trade and industry of Karachi and above all, Mr. Chairman, the honourable Minister has failed to clarify how a member of the Federal Cabinet had given an assurance that uniform power rates would be enforced and Government would take measures to do this and there is absolutely no reference to this assurance and the lack of fulfilment of this assurance.

Mr. Chairman: Thank you very much. I think the very fact that the Government has considered several alternatives and come to the conclusion of what has been decided that the rate should be increased from 63 paisas to 76 paisas, he speaks of the concern which Government has for the overall situation in Karachi with regard to the effect of the increase in surcharge on the rest of the country or for the industrial production of the country, I think it is a very large subject which requires a separate debate. In most industries the cost of electricity or power does not exceed more than three to five percent. There are industries which consume as much as 60% of electricity in their cost of production and they would be very badly affected but a slight increase in a factor which accounts only for three percent of the cost of production, perhaps would . . . not be the last straw on the camel's back to which you are referring. But we are here dealing with the technical admissibility of the motion.

Now, I think, previously this House has also decided that matters relating to day-to-day administration of an autonomous organization cannot be raised by way of an adjournment motion. This is also what is contained in Kaul book & then, if it also relats, if there is a matter which relates to action taken by authorities in due administration of law and here, whatever increases had to be made they were passed thorugh the Tariff Commission

then they have been submitted to the Cabinet. The Cabinet Committee of the Government have considered it, and they have come to this decision. So, on that basis also, this amounts to an action taken by the authorities in due administration of law. So, I think, strictly technically, it is not an admissible motion. I think, the time is almost over. There is only one minut e for adjournment motions... We may proceed to the next subject. give up the adjounment motions. So, the time for adjournment motion is over

Next item – Consideration of the following motion moved by Prof. Khurshid Ahmed, on the 17th of January:

> "Thatthe Freedom of Information Bill, 1985, as reported by the Standing Committee, be taken into consideration."

Prof. Sahib at your request the debate on the law in this motion last time was postponed.

THE FREEDOM OF INFORMATION BILL, 1985

Mr. Javed Jabbar : Sorry Sir, I participated in the first reading.

پروفیسر خورشید احمد: فرسٹ ریڈنگ اب شروع ہو رہی ہے۔

Mr. Javed Jabbar : The record will show that I spoke on this.

Mr. Chairman : No. No. The first reading is continuing.

Mr. Javed Jabbar : Yes, please.

پروفیسر خورشید احمد: فرسٹ ریڈنگ ابھی شروع نہیں ہوئی ہے۔ فرسٹ ریڈنگ اب شروع ہوگی۔ اُس وقت گفتگو ہوئی تھی سٹینڈنگ کمیٹی کی رپورٹ پر۔

Mr. Chairman : Right. At any rate, do you want to start the debate today?

پروفیسر خورشید احمد: جناب میں بالکل تیار ہوں۔

Mr. Chairman : Then Wasim Sahib – Of course, it is opposed.

Mr. Wasim Sajjad : Opposed.

جناب چیئرمین: پروفیسر صاحب آپ ارشاد فرمائیں۔

پروفیسر خورشید احمد : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جناب چیئرمین! شریعت بل کے بعد اور زمانی اعتبار سے اس سے بھی پہلے، یہ پہلا مکمل بل تھا جسے ایوان کے کسی ممبر نے اس ایوان میں پیش کیا، دو سال سے یہ کمیٹیوں میں گھوم رہا ہے اور مجھے علم ہے کہ قانون سازی کو ان مراحل سے گزرنا ہوتا ہے، اور ان تمام مراحل کا مقصد ہی یہ ہے کہ قانون کو بہتر بنایا جا سکے لیکن میں اپنے اس افسوس کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ابتداً حکومت کا رویہ اس بل اور اس مسئلے کے بارے میں جس سے یہ متعلق ہے منفی تھا اور ہمیں اس بات کی توقع تھی کہ حکومت اور حزب اختلاف کے چکر میں پڑے بغیر ایک ایسے مسئلے کے بارے میں جس کا تعلق اس ملک سے ہے اس کے انتظامی نظام سے ہے، اس میں جمہوری روایات کو پروان چڑھانے سے ہے اس کا تعلق انتظامیہ میں کرپشن کو دور کرنے سے ہے، جس کا تعلق ایک عام شہری کے حقوق سے ہے اور اس ملک میں decision making کے عمل کو زیادہ کھلا، زیادہ open بنانے سے ہے خود حکومت کو فکر کرنی چاہیئے تھی، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں پارلیمنٹ کو فکر کرنی چاہیے، ہم میں سے ایک ایک فرد کو اس کی فکر کرنی چاہیے اور اس پہلو سے مجھے یہ توقع تھی کہ پرائیویٹ ممبرز کی طرف سے ایسے مسودے کے پیش کرنے کا خیر مقدم کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ ہم ایک ایسا متفقہ بل یہاں لا سکیں جس کے ذریعے ہمارے عوام کو ان کے حقوق مل سکیں، لیکن درمیان میں: میں نے یہ محسوس کیا کہ اس اعتراف کے باوجود کہ اس ملک میں کالونیل دور کا سیکریسی کا نظام آج بھی جاری ہے اور اس اعتراف کے باوجود کہ دنیا کے متعدد ممالک نے گزشتہ سو سال میں اس طرف بڑی پیش رفت کی ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے نظام کو اوپن کیا ہے اور جن اصولوں پر عدالت کام کرتی ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ فیصلے کھلے طور پر ہونے چاہیئں، ہر پارٹی کو سنا جائے، ہر پارٹی اس پوزیشن میں ہو کہ دوسری پارٹی کے نقطہ نظر کو جان سکے اور جن وجوہ کی بنا پر کوئی فیصلہ کیا جا رہا ہے ان وجوہ کو بھی ظاہر کیا جائے تو اس اصول کو آہستہ آہستہ وسعت دی جائے اور ایڈمنسٹریشن میں جن جن مقامات پر اس اصول پر عمل ہو سکتا ہو اس پر عمل کیا جائے۔

جناب والا! آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ یہ کوئی صرف مغربی جمہوریتوں کا ہی اصول نہیں آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہہ کے زمانے کا یہ واقعہ بار بار سنا ہوگا کہ جب آپ نے مسجد نبوی میں کچھ سرکاری معاملات کو بیان کرنا شروع کیا تو ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ بات کہی کہ اے عمرؓ ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیوں، انہوں نے کہا کہ اس لیئے کہ جو پوشاک آپ زیب تن کیے ہوئے ہیں یہ پوشاک ان چادروں سے بنی ہے جو یمن سے مالِ غنیمت میں آئی تھیں اور ہر شریک کو ایک ایک چادر ملی تھی اور آپ کی قدو قامت کے پیشِ نظر ایک چادر آپ کے لباس کے لئے کافی نہیں ہوسکتی تھی، جب تک آپ ہمیں یہ نہ بتائیں کہ آپ نے یہ لباس کس طرح بنایا ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہہ نے کسی پبلک سیفٹی آرڈیننس کا سہارا نہیں لیا، ان کو ڈانٹنے یا خاموش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے صاحبزادے سے کہا کہ تم بتاؤ امر واقعہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اٹھے اور انہوں نے یہ کہا کہ ایک چادر میرے حصے میں آئی تھی اور ایک میرے والد محترم کے حصے میں آئی تھی۔ میں نے جب یہ محسوس کیا کہ ایک چادر ان کے لباس کے لئے کافی نہیں تو میں نے اپنی چادر ان کو دے دی اور اس طرح وہ یہ لباس بنا سکے ہیں، جن الصحابی نے اعتراض کیا تھا وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہاں عمر اب ہم تمہیں سنیں گے بھی اور تمہاری بات مانیں گے بھی، تو جناب والا! اگر آپ غور کریں تو آپ یہ پائیں گے کہ اس واقعہ میں بے شمار پہلو ہیں۔

آج میں آپ کی توجہ جس پہلو کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ فریڈم آف انفارمیشن ہے، پبلک کے ذمہ دار آدمی، سربراہ مملکت، اس کے عمل، اس کے رویے کے بارے میں اعتراض کا حق، معلومات حاصل کرنے کا حق اور معلومات فراہم کرنے کی ذمہ داری یہ وہ مثال ہے جو ہمیں معلوم ہوتی ہے اور آگے بڑھیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول، ہر عمل، آپ کے سامنے آپ کی موجودگی میں کیا ہوا وہ عمل جس پر کہ آپ نے اعتراض نہ کیا ہو، ایک حجت کی

[Prof. Khurshid Ahmed]

حیثیت رکھتا ہے اس بات کو جاننے کے لئے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اور فرمایا احادیث جمع کی گئیں ، مختلف لوگوں نے ان کی روایات کیں ، ان راویوں کے بارے میں جو معلومات مسلمانوں کی تاریخ میں جمع کی گئیں ہیں وہ ایک ایسا نادر علمی مجموعہ ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کسی تہذیب کی تاریخ میں ہمیں نہیں ملتی ، ایک لاکھ سے زیادہ افراد کے بارے میں ان کی ذاتی زندگی ، ان کی علمی صلاحیت ، ان کا حافظہ ، ان کا کردار وہ کہاں کہاں گئے ہیں ، کن کن افراد سے ان کی ملاقات ہوئی ہے ، جس صحابی سے وہ کسی حدیث کی روایت کر رہے ہیں آیا اس سے ان کی ملاقات ثابت ہے یا نہیں ، جس وقت ملاقات ہوئی ہے اس وقت ان کی عمر کتنی تھی یعنی اصحاب الرجال کے بارے میں جو میٹریل جمع کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی تہذیب کا ، مسلمانوں کی علمی روایات کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہے اور یہاں پر بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نظام کو چلانے کے لئے انفارمیشن کی اہمیت ، اور اس بارے میں openess ، اس کو شیئر کرنا ، حتیٰ کہ جو غیبت کے اصول تھے وہ بھی یہاں اپلائی نہیں کئے تاکہ یہ انفارمیشن جو پبلک کے انٹرسٹ میں ضروری ہے یہ فراہم کی جائے ۔

ہماری تاریخ ، ہمارا نظام جو ہے وہ ایک اوپن سوسائٹی کے open decisions ہیں فیصلے کو چیلنج کرنا ، قانون کے مطابق اگر کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کرنا یہ ہماری روایات آئی ہیں ۔ اب اگر آپ مغربی معاشرے کو دیکھیں کہ جب جمہوری نظام نے ترقی کی اور اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ حکومت جو فیصلے کرتی ہے وہ فیصلے informed انداز میں ہوں عوام کے participation سے ہوں اور لوگ جانیں کہ کیا ہیں ۔ اس کے تین دائرے ہیں ایک لیجسلیشن (قانون سازی) قانون سازی اس لئے اوپن کی جاتی ہے کہ سارے کا سارا نقطۂ نظر سامنے آسکے اور آپ کو معلوم ہے کہ مغربی معاشرے میں ایک بل کس طرح originate ہوتا ہے محض ایک ممبر اسے پیش نہیں کر دیتا یا حکومت کی طرف سے بل نہیں آجاتا بلکہ بل کے آنے کا معنی یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے پیچھے ضرورت ،

لوگوں کے مطالبات، مختلف lobbies یا طبقات کی طرف سے اس کو پیش کرنا اس کی تشہیر اس کا کمیٹی میں جانا اس کے اوپر ڈسکشن اور عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجنا یہ وہ سارا پراسس ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اوپن لیجسلیشن ہو دوسرا دائرہ ایڈمنسٹریٹو فیصلوں کا ہے ایڈمنسٹریٹو فیصلوں میں بلاشبہ دونوں چیزوں کے درمیان ایک حسین توازن قائم کرنا پڑتا ہے کہ ایک طرف انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ ایک شخص جو ہے اُس کو معلوم ہو کہ جو رابطہ اور جو معاملات وہ حکومت سے کر رہا ہے ان کے بارے میں فیصلہ کیسے کیا جا رہا ہے اس کے لئے ضابطہ کیا ہے اس کے لئے قانون کیا ہے اس کے لئے پروسیجر کیا ہے، کون اتھارٹی یہ ڈیل کر رہی ہے پھر جو فیصلہ اس نے کیا ہے کن بنیادوں کے اوپر کیا ہے۔ فیصلہ کرنے سے پہلے آیا انصاف کے تقاضے پورے ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے، اور فیصلے کے بعد اگر اسے چیلنج کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا راستہ کیا ہوگا۔ ایڈمنسٹریٹو فیصلوں کے بارے میں سب سے زیادہ سیکریسی برتی جاتی ہے اور خاص طور پر colonial نظام میں۔ لیکن اگر آپ ایک colonial نظام اور جمہوری نظام کے فرق کو دیکھیں تو آپ یہ پائیں گے کہ جمہوری نظام میں آہستہ آہستہ ایڈمنسٹریٹو فیصلوں کو بھی چند خاص پہلوؤں کو چھوڑ کر عام کیا جاتا ہے اس میں کوشش کی جاتی ہے کہ اسی وقت متعلقہ پارٹیز معلومات حاصل کر سکیں اس میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو معلومات فراہم کی جائیں اس میں یہ کوشش کی جاتی ہے اگر عدالتی لیول پر کوئی مسئلہ پیدا ہو رہا ہے تو پھر ان معلومات کو عدالت کو دیا جائے اور باقی تمام معاملات میں کوشش کی جاتی ہے کہ ایک خاص مدت کے بعد تمام معلومات لوگوں سے شیئر کر لی جائیں اسی لئے آپ جانتے ہیں کہ کچھ معاملات میں ۲۰ سال کی حد ہے کچھ میں ۲۵ سال کی حد ہے کچھ میں ۳۰ سال کی حد ہے لیکن وہ تمام چیزیں جو بڑی sensitive ہیں اور جن کے بارے میں حکومت کس طرح کسی نتیجے پر پہنچی لیکن ان کو بھی ہمیشہ کے لئے صیغۂ راز میں نہیں رکھا جاتا بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ گورنرز کی رپورٹس، پولیٹکل ایجنٹس کی رپورٹس جو انویسٹی گیشنز کی گئیں ہیں ان کی رپورٹس، سفیروں کی رپورٹس یہ سب کی سب بھی پبلک کے سامنے رکھی جائینگی۔ آپ کو معلوم ہے کہ پبلک ریکارڈ حتیٰ کہ colonial period کے

[Prof. Khurshid Ahmed]

بارے میں بھی ایک مدت کے بعد ریکارڈز اوپن کر دیئے گئے ہیں اور وہ اب پوری انسانیت کے میراث ہیں، جس کو لوگ دیکھتے ہیں کہ ماضی میں معاملات کس طریقے سے حل کیے جاتے تھے۔

جناب والا! اس پہلو سے آپ دیکھیں تو میری نگاہ میں Scandinavian countries سب سے پہلے آگے بڑھے ہیں اور اب ناروے، ڈنمارک، سویڈن یہ وہ ممالک ہیں جنہوں نے انیسویں صدی کے آخیر میں فیڈرم آف انفارمیشن ایکٹ پاس کیے اور ان قوانین کی رو سے انہوں نے تین چیزیں کیں پہلی چیز یہ کہ عوام کے اس حق کو تسلیم کیا کہ فیصلے کس طرح کیے جاتے ہیں اس کے بارے میں ان کو پروسیجر معلوم ہو اور یہ اس طرح نہ ہو کہ ہر ہر قانون میں صرف ضابطے کو الگ الگ بیان کر دیا جائے بلکہ ہر ڈیپارٹمنٹ کی ذمہ داری ہو کہ وہ باقاعدہ اس سلسلے میں عوام کے لئے موقع فراہم کرے کہ یہ طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم فیصلہ کر رہے ہیں تاکہ سب کو معلوم ہو کہ فیصلہ کرنے کا پروسیجر کیا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ فیصلے کرنے کے بعد اگر یہ معلومات حاصل کرنا چاہیں کہ کن وجوہ کی بنا پر فیصلہ کیا گیا ہے۔ کن evidences کی بنیاد پر کن ریکارڈز کی بنیاد کے اوپر تو کچھ معاملات میں ایک شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ یہ معلومات بھی حاصل کرے تیسری چیز یہ ہے کہ اگر ڈیپارٹمنٹ یہ معلومات دینے میں انکاری ہے تو پھر اس کے لئے عدالتی پروسس ہونا چاہیے اور اس میں یہ پروویژن دیا گیا ہے کہ ایسی صورت میں وہ عدالت کو اپروچ کر سکتا ہے اور عدالت اس میٹریل کو منگوائے گی اور منگوانے کے بعد اس کو وہ فراہم کر کے دے گی بلاشبہ اس میں کچھ چیزوں کو accept کیا گیا ہے جیسے نیشنل سکیورٹی کے معاملات ہیں، ڈیفنس کے معاملات ہیں کچھ ایسی چیزیں ہیں جس میں دوسروں کی privacy کے حق کو مجروح کر سکتی ہے تو لازماً کچھ حدود مقرر کی جا سکتی ہیں لیکن ان حدود کے اندر ان معلومات کا فراہم کیا جانا یہ وہ روایت تھی جو Scandinavian countries نے قائم کی ہے اس کے بعد پھر دوسرے

ممالک نے اس سلسلے میں پیش رفت کی جن میں آسٹریلیا ہے، کینیڈا ہے یوگوسلاویہ ہے جو بظاہر ایک totalitarian ملک ہے لیکن وہاں بھی فریڈم آف انفارمیشن کا حق لوگوں کو دیا گیا ہے، قانونی ضابطہ بنایا گیا ہے اور پھر اسی سلسلے میں اہم ڈویلپمنٹ امریکہ میں ہوئی ہے جہاں ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ فریڈم آف انفارمیشن بل پاس ہوا اور اس کے بعد پھر ۸ سال کے تجربات کے بعد ۱۹۷۴ء میں revised شکل میں یہ بل منظور کیا گیا حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں اس بل کے پاس ہونے کے بعد اور وہاں پر اس پر جس طریقے سے عمل ہوا ہے اس سے پوری دنیا کا جو انفارمیشن سسٹم ہے اس کے اوپر غیر معمولی اثرات پڑے ہیں اس سے پہلے جتنے بھی بلز تھے انہوں نے عوام کو معلومات دینا ان کے حقوق کی حفاظت اور کرپشن کو چیک کرنا خصوصیت سے ایڈمنسٹریٹو کرپشن کو چیک کرنے کے بارے میں ہر ملک میں اس نوعیت کے بل کا اس نوعیت کے قانون کا غیر معمولی اثر پڑا ہے۔ لیکن امریکہ کے قانون نے ایک قسم کا انقلاب برپا کیا اور اس کے نتیجے کے طور پر سرکاری accountability اور decision making کے اوپن ہونے کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ امریکہ کے بارے میں متعدد سٹڈیز آ چکی ہیں آج ایک درجن سے زیادہ کتابیں موجود ہیں جن میں امریکہ اور دوسرے ممالک میں اس نوعیت کے بلز کی جو performance اور impact ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔

جناب والا! میں اس ساری علمی بحث کو یہاں نہیں رکھنا چاہتا لیکن پورے ادب کے ساتھ یہ بات عرض کرونگا کہ ان تقریباً ۱۲ ملکوں کے تجربات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ عوام کے حقوق کی حفاظت کے لئے، ملک میں جمہوریت کو پروان چڑھانے کے لئے decision making کے عمل کو انصاف کے قریب تر لانے کے لئے اور سب سے بڑھ کر ایڈمنسٹریشن میں کرپشن کو دور کرنے کے لئے اس نوعیت کا اقدام بے حد اہم رہا ہے یہ وہ پس منظر ہے جس میں نے میں نے اس بات کو محسوس کیا کہ پاکستان میں بھی اس سلسلے

[Prof. Khurshid Ahmed]

میں کچھ اقدامات کئے جائیں تو جناب والا! جو مسودہ میں نے بل کا پیش کیا ہے اس کا اصل مقصد بھی انہی چاروں چیزوں کو حاصل کرنا ہے اور جیسا میں نے اس سے پہلے عرض کیا محض اس لئے نہیں کہ آج کے جمہوری ممالک نے اس سلسلے میں کچھ اچھی مثالیں قائم کی ہیں میں ان کا معترف ہوں اور میرا مطمع نظر یہی ہے کہ آج کی دنیا میں جہاں جو چیز اچھی پائی جاتی ہے وہ مسلمان کی میراث ہے ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ "خذ ما صفا و دع ما کدر" جو ہمارا ایک مستقل اصول ہے۔ ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن میں یہ بھی عرض کروں گا کہ یہ مسلمانوں کی اپنی روایات سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور خصوصیت سے ہمارے ابتدائی اولین دور میں اس اصول کے اوپر برابر عمل ہوا ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ آج ہم دنیا کے سامنے اسلامی روایات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، انسانیت کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچھی قانون سازی کریں اور اچھی روایات قائم کریں۔

جناب والا! اگر آپ میرے بل کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ یہ دیکھیں گے اس میں سب سے پہلے میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس بل کے دائرہ کار کو وسیع ترین رکھا جائے تاکہ ایک طرف حکومت کے سارے ادارے، سارے شعبے، پبلک سیکٹر، بینکنگ اور دوسری مرکزی اور صوبائی دائرے آجاتے ہیں اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ یہ پروانشل اٹانومی کے خلاف ہے اس لئے کہ تو دراصل اٹانومی کی بنیاد فراہم کر رہا ہے اور میری ناچیز رائے میں یہ وہ دائرہ ہے جو concurrent دائرہ ہے جس میں پاکستان کا یہ ایوان قانون سازی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس معاملے میں کوئی reservation ہماری وزارت عدل کو ہو تو اس میں کوئی مشکل نہیں ہے اس کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ مرکز مرکزی اداروں کے لئے لیجسلیشن کرے اور صوبوں کو آپشن دیا جائے کہ وہ اگر اسی کی روشنی میں اپنی قانون سازی کرنا چاہتے ہیں تو وہ کر لیں لیکن میری تجویز یہ ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جسے ہمیں پورے ملک کے لئے اختیار کرنا چاہیے اور خود محتسب اعلیٰ کا تجربہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مرکز نے ایک بڑا اچھا تجربہ کیا کاش کہ اسی وقت مرکز کے

ساتھ ساتھ صوبوں میں بھی اسی طرح منصب اعلیٰ قائم کر دیئے جاتے تو آپ دیکھتے کہ وہاں لوگوں کو کتنا زیادہ ریلیف ملتا۔

دوسری چیز جناب والا! یہ ہے کہ میرے بل میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ ہر ڈیپارٹمنٹ کے لئے حکومت پر لازم کیا جائے کہ decision making کا جو Process ہے، اس کے جو ضابطے ہیں، کون فیصلہ کرنے والا ہے ، یہ ساری باتیں ایک manual کی شکل میں مرتب کی جائیں، کچھ قانون ، اور ضابطے بعض ڈیپارٹمنٹ کے لئے موجود ہیں ، کچھ کے لئے موجود نہیں ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ گو یہ ایک مفروضہ ہے قانون کا، ہر شہری قانون کو جانتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت نہیں ہے اور خاص طور پر ان ممالک میں جہاں تعلیم کا تناسب بڑا کم ہے ، جہاں معلومات کے ذرائع بڑے محدود ہیں ، وہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت آگے بڑھے اور عوام کو بتائے کہ وہ اپنے حقوق کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ان کے حقوق ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا راستے ہیں ۔ اور پھر ان معلومات کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور زیادہ سے زیادہ آسان شکل میں پیش کیا جائے ۔ اور یہ سب ایک جگہ مرتب ہوں تاکہ لوگوں کو معلومات حاصل کرنے میں سہولت ہو، یہ سب الگ الگ ڈیپارٹمنٹ کے لئے ہو۔

جناب والا! پہلی ضرورت جو میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سامنے آئے ، وہ یہ ہے کہ لوگوں کو معلومات حاصل ہوں کہ ان کے حقوق کیا ہیں۔ فیصلے کس طریقے سے ہوتے ہیں، ضابطے کیا ہیں اور ان ضابطوں کے تحت وہ کیا کچھ حاصل کر سکتے ہیں ۔ کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں اور کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ امریکہ میں تو یہ ہے کہ ہر محکمہ پر قانونی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہر تین ماہ کے بعد لازمی طور پر ان قوانین کو review بھی کیا جاتا ہے۔ اور ان کو اپ ٹو ڈیٹ بھی کیا جائے تاکہ کوئی ایسی شکل پیدا نہ ہو کہ آپ نے تو ایک امنڈمنٹ کے ذریعے کوئی تبدیلی پیدا کر لی ہے اور افراد اس کو نہ جانتے ہوں۔ یہاں عالم یہ ہے کہ یہاں تبدیلیاں ہو جاتی ہیں اور اس کا علم حکومت کو نہیں ہوتا ہے ۔ اراکین پارلیمنٹ کو اس کا علم نہیں ہوتا ہے ، ملک کے دیگر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا ہے ۔ پھر آپ کے علم میں

[Prof. Khurshid Ahmed]

جناب والا! یہ بات بھی ہوگی کہ ہمارے ہاں آفیشل سیکرٹ ایکٹ ، پاکستان پینل کوڈ ، سول سروسز ایکٹ ، یعنی ان تمام کے اندر بے شمار ایسی پرویژنز ہیں جس کی بنا پر بہت سی معلومات کو ہمیشہ کے لئے secret بنا دیا گیا ہے۔ اور وہ کبھی عوام تک نہیں آ سکتی ہیں۔ اس بل کو پیش کرنے کے بعد اتنی پیشرفت ضرور ہوئی اور میں اس کو آن ریکارڈ لانا چاہتا ہوں کہ کیبنٹ ڈویژن نے دو Memorandum ہمیں دیئے۔ اور یہ بتایا کہ آرکائیوز کے میدان میں اور کچھ دوسرے دوائر کے اندر ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ آپ معلومات کو دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ اس میں سے کتنی ایسی چیزیں ہیں جو پبلک کے لئے اوپن کی جا سکتی ہیں لیکن میری نگاہ میں یہ سب ناکافی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس بارے میں ایک کلیئر پالیسی ہو ، اور یہ کلیئر پالیسی اس وقت تک ہو نہیں سکتی جب تک ہم اس مسئلہ کو comprehensive بل کے ذریعہ سے ٹریٹ نہ کریں۔

جناب والا! دوسری چیز جسے میں نے اس بل میں رکھنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حق establish کیا جائے کہ ایک شخص ، ایک شہری ، جس وقت چاہیے ، وہ یہ معلومات حاصل کر سکتا ہے یہاں میرے بل میں اور امریکہ کے بل میں ایک فرق ہے امریکہ کے بل میں ضروری نہیں ہے کہ شہری معلومات حاصل کر سکے ، اس کے اندر یہ وسعت بھی موجود ہے کہ دنیا کا کوئی بھی فرد ، معلومات حاصل کر سکتا ہے اور اس بات کی evidence موجود ہیں کہ بے شمار لوگوں نے International issues کے بارے میں اس بل کے تحت معلومات حاصل کی ہیں لیکن ہم اس حد تک نہیں جا سکتے ہیں ، میں نے صرف اس بات کو رکھا ہے کہ اس ملک کا ہر شہری یا agrieved party یہ معلومات حاصل کر سکے لیکن جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس کے بعد ہر ڈیپارٹمنٹ کی قانونی ذمہ داری ہونی چاہیئے کہ جو معلومات ان سے مانگی جائیں اس کی فوٹو کاپیاں دے اس کے لئے یہ رکھا جا سکتا ہے کہ اس مقصد کے لئے کوئی فیس

مقرر کی جا رہی ہے۔ فوٹو کاپیز کے لئے آپ فیس رکھ سکتے ہیں۔ امریکہ میں بھی معمولی سی فیس رکھی ہوئی ہے لیکن ہر شخص کو یہ قانونی حق ہونا چاہیے کہ وہ معلومات حاصل کر سکے اور اگر ڈیپارٹمنٹ معلومات فراہم کرنے سے انکار کرتا ہے تو پھر انفارمیشن مانگنے والوں کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حق ہونا چاہیے۔ جناب والا! آپ کہہ سکتے ہیں کہ عدالتوں کے پاس پہلے ہی بہت زیادہ کام ہے، ان کے پاس مقدمات کے انبار لگے ہوئے ہیں، بیس بیس سال سے کیس رکے ہوئے ہیں تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ یہ بات خود ایک بہت بڑا مسئلہ ہے یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ لیکن میں نے اس مقصد کے لئے جو تجویز رکھی ہے وہ یہ ہے کہ پھر ان معاملات کو priority حاصل ہوگی، اور یہ پروویژن میں نے دنیا کے کئی ممالک کے اندر پایا ہے کہ ان کے قوانین میں اس چیز کی گنجائش ہے کہ جب ایک شخص نے انفارمیشن بل کے تحت معلومات حاصل کرنا چاہی ہیں اور اسے انکار کیا جاتا ہے تو پھر اس کو precedence حاصل ہوتی ہے اور عدالتیں ان کیسوں کو اولیت دیتی ہیں۔ میں نے بھی یہ تجویز رکھی ہے کہ اس کے لئے یہ، عدالتی mechanism بنایا جائے اور اس کے اندر priority اور precedence کے اصول کو تسلیم کیا جائے۔

جناب والا! اس کے ساتھ مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ کچھ معلومات ایسی ہوں گی کہ جن کو ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔ وہ قومی مفاد کا مسئلہ ہے privacy کا مسئلہ ہے تو یہ ضروری exemption میں نے اس بل میں Provide کی ہیں۔ میں اس وقت یہ visualize نہیں کر رہا کہ ساری چیزیں اس بل کے تحت باہر آ جائیں گی۔ لیکن ہمیں کم از کم اس سمت میں آگے بڑھنا چاہیے اور سب سے اہم یہ بات ہے کہ یہ بات پھر Justiciable ہو کہ کون سی ایسی معلومات ہیں جن کو سیکرٹ رکھا جا سکتا ہے اور کون سی ایسی معلومات ہیں جن کو کہ اوپن ہونا چاہیے: اور اس معاملے میں اگر گورنمنٹ exemptions کو withdraw کرے گی تو Judiciary اس کا جائزہ لے گی اور اگر فی الحقیقت ایسا ہے کہ کوئی معلومات سامنے نہیں آنی چاہییں

[Prof. Khurshid Ahmed]

تو ان کو روکا جا سکتا ہے۔

جناب والا! یہاں میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ جو Rules of Business اس ایوان نے منظور کئے ہیں اور جن پر ہمیں فخر ہے ، اس میں حقیقت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ ان رولز میں اس اصول کو مانا گیا ہے کہ حکومت ہر معلومات کو اس ایوان یا اس کی کمیٹی کے سامنے لانے پر مجبور ہے الا یہ کہ کوئی سیکورٹی کے ایسے مسائل ہوں جو ظاہر نہ کئے جا سکتے ہوں اور ان کے بارے میں بھی پہلی بار آپ نے نئے رولز میں اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ وہ معلومات بھی، حکومت مجبور ہے کہ چیئرمین آف دی سینیٹ کے سامنے لائے ، پھر چیئرمین ہی decide کرے گا کہ آیا یہ ایسی کوئی sensitive معلومات ہیں کہ اسے ہم کمیٹی کے سامنے لائیں یا نہ لائیں تو جناب والا! جس اصول کو آپ نے یہاں مانا ہے ، مناسب exemption کے ساتھ ، مناسب safeguards کے ساتھ ، میں چاہتا ہوں کہ یہ پورے ملک کے لئے اختیار کیا جائے۔

یہ ہے وہ فریم ورک جناب والا! میں اس بل کی ایک ایک شق کو نہیں لے رہا ہوں اگر حکومت کے تعاون سے وہ مرحلہ آیا تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں لیکن اس وقت چونکہ میں اس کے عمومی اصولوں پر بات کر رہا ہوں اس لئے جناب والا! میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا ہی اہم اور بڑا تعمیری ، بڑا مثبت اور ایک حد تک انقلابی بل ہے ۔ ایک حد تک اس لئے کہ حکومت کو اس سے خائف نہیں ہونا چاہیے کہ فوراً ہی کوئی زمین پھٹ جائے گی اور چھتیں گر جائیں گی لیکن اس بل کے بعد آہستہ آہستہ فیصلے کرنے کا جو نظام ہے وہ اوپن ہوگا اور یہ وہ چیز ہے جس سے کہ آپ کرپشن کو دور کر سکیں گے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کر سکیں گے اور ایک اچھی روایت آپ قائم کر سکیں گے۔ وقت ضرور لگے گا کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں ، رہی یہ بات کہ صاحب ، لوگ اس کو misuse کریں گے ، اس سے

غلط الفاربیشن حاصل کی جائیں گی یا بلیک میل کیا جائے تو جناب والا! میں یہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آفیسرز کو جو نوٹنگ کر رہے ہیں، جو بھی investigation کی جارہی ہیں، یہ معلوم ہو کہ کل یہ ریکارڈ باہر بھی آنا ہے تو آپ یقین مانیئے کہ decision making responsible ہو جائے گی۔ ان کو دو باہر سوچنا پڑے گا، وہ قاعدے اور قانون کی زیادہ پابندی کریں گے۔ ہمیں معلوم ہے اور میں بر بنائے علم کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے Rules of Business کو نظر انداز کر کے notings کی جاتی ہیں اور اگر منسٹر ہوشیار نہ ہو اور خود چیزوں سے اچھے طریقے سے واقف نہ ہو تو وہ ایسے ایسے فیصلے کروائے جاتے ہیں کہ جس پر ساری عمر نادم ہونا پڑتا ہے اور میں نے ایسے فیصلے تبدیل کئے ہیں جب میرے پاس نیچے سے نوٹنگز ایسی آئی ہیں تو ان کو میں نے تبدیل کیا ہے۔ جناب والا! میں یہ چاہتا ہوں کہ نظام اوپن ہو تاکہ پبلک کے سامنے یہ چیزیں آسکیں، اور اس کے بعد آپ کے ایڈمنسٹریٹو اور آپ کے Bureau-crates کے اوپر پابندی ہو گی، انہیں اس بات کا احساس ہو گا کہ یہ ساری چیزیں کل قوم کے سامنے آنی ہیں اور اگر میں نے کسی چیز کے بارے میں غلط فیصلہ کیا تو اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی نقول حاصل کی جا سکتی ہیں اور یہ سب کچھ دوسرے لوگوں کے سامنے آسکتا۔ نیز یہ بات کہ جو رپورٹ آپ کے سفرا بھیجتے ہیں، آپ کی سی آئی ڈی بھیجتی ہے، آپ کی مختلف ایجنسیاں بھیجتی ہیں، ہمیشہ کے لئے وہ مدفون نہیں رہیں گی، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ قوم ان کو جانے گی اور لوگ ان کو جانیں گے اور معلوم ہو گا کہ کس نے کیا کہا اور اس ملک میں فیصلے کس طرح ہوتے رہے ہیں۔

جناب والا! یہ وہ چیز ہے جس سے آہستہ آہستہ میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی تبدیلیاں آئیں گی اور ہم ایک روشن مستقبل کی طرف بڑھ سکیں گے۔ جناب والا!

[Prof. Khurshid Ahmed]

میں حکومت سے اپیل کرونگا اور اس ایوان کے ہر رکن سے، کہ یہ نہ دیکھئے کہ یہ بل ان لوگوں کی طرف سے آرہا ہے جنہیں اپوزیشن میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہے، یہ دیکھئے کہ یہ بل اس ملک کے لئے کیا کرنا چاہتا ہے، اس سے اس قوم کو کیا فائدہ ہوگا۔ حکومت کو کیا فائدہ ہوگا۔ ایڈمنسٹریشن کا کس طریقے سے role بدل جائے گا۔ اگر یہ تمام باتیں جو میں نے عرض کی ہیں حقیقت پر مبنی ہیں تو پھر ذرا کھلے دل کے ساتھ میرٹس کی بنیاد کے اوپر اس کا جائزہ لیجئے البتہ اکثریت آپ کے پاس ہے اور آپ کا یہ حق ہے کہ تاریخ میں جو مقام بھی حاصل کرنا چاہیں کریں۔ آپ کیا میرٹس کی بنیاد پر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں یا محض bruit majority کی بنیاد پر۔

جناب والا! میں ان گزارشات کے ساتھ اس بل پر general discussion کی دعوت دیتا ہوں۔ شکریہ!

جناب چیئرمین: بہت شکریہ!

Any other honourable Member

Mr. Javed Jabbar : Thank you, Mr. Chairman.

I had the opportunity to present some of my views at the time that the Committee's Report was laid on the Table of the House. But I believe that the subject highlighted by the moving or the attempt to move this Bill and to adopt it is sufficiently important and relevant for it to justify the reiteration of some of those views and perhaps some additional observations.

Mr. Chairman, I believe that the freedom of information is a fundamental human right and that it is unfortunate that the framers of the 1973 Constitution perhaps did not take cognizance of the fact that as a result of the radical changes in communication technology particularly after the Second World War, mankind and that is very specifically including Pakistan experienced an unprecedented level of mass public

awareness which has no parallel in human history irrespective of literacy level, irrespective even of the purchasing power level of the population of the country. For the first time in human history we have a situation where an impoverished illiterate destitute person living in the remotest corner of Pakistan has instant access through a 100 rupee object called a transister radio to a wealth and variety of information which is literally at his finger tips and this is a substantive and fundamental change. It is a change in the status of human-being. At no times in human history did that kind of an individual ever dreamed of knowing the secrets or the processes that shape his life and shape the life of the world in which he lives. Therefore, the concept of the freedom of information as a fundamental human right became a subject of international discussion and was most well-articulated by the Migbright Commission sponsored by UNESCO which took note of the fact that the freedom to have access to information constituted a new fundamental human right which should be enshrined wherever possible in the Constitutions of the World.

In fact, the debate has now progressed further to consider including the freedom to communicate – the freedom to communicate not only with each other but the freedom to communicate with those that one may not be able to seek but which is relevant to the exercise of the freedom of information. So, therefore, the whole concept of the freedom of information has undergone many basic changes that unfortunately are not reflected even in Constitution that was unanimously adopted by all the political parties in Pakistan and which is still held up as the model for Constitutional development and liberty in the history of Pakistan. So, when we talk of a Bill that seeks to provide freedom of access to information it reflects upon this fundamental right and it is not surprising for me that the Bill comes up against the resistance of the Government which may be nobly motivated in its perception whether this Bill in its particular form represents the best possible means to achieve this objective because the comments on the Standing Committee Report indicate that the Government is of the view that various provisions that exist in other laws are adequate to cover this and that in some cases the kind of freedom envisaged by the Bill will have a very negative effects on the award of contract or on the concept of accountability by opening up virtually the flood gates of information and causing a kind of anarchy of public awareness of issues that we need to be retained in some degree of confidentiality. But I believe that the instinctive response of the Government of resisting the passage of this Bill is something that transceneds this particular Government. I think, any Government pro-

[Mr. Javed Jabbar]

duced in the conditions of Pakistan today would most instinctively react negatively to a Bill that seeks to in a sense, throw light upon the very foundations upon which the Governmental structure is established in our system, in our society in which the very institutions of power which is whether the Armed Forces, the feudal lords bureaucracy – those institutions that are based on a certain system of power a Bill like this seeks to throw light on the realities of the sources of power. Because while it became a fundamental human right, the freedom of information – the freedom of information also highlighted the fact that information is power.

Arms constitute the most obvious expression of power and so does wealth, so does the possession of land but the ability to tabulate data or the official version of data, the ability to process data from figures to action and then enforce the orders that you arrived at after interpreting data constitutes the very basis of power and therefore, it is no wonder that in our country, the entire information sector of the economy is predominated by the State and by the Government. In previous discussions in the House, you will recall Mr. Chairman, one had attempted to highlight the fact that when one called for the dissolution of the National Press Trust or advocated a change in the policies of Pakistan Television or Pakistan Broadcasting we were not just talking about media information but talking about the need to reduce this strangle hold of the State and the Government on the information processes of the country. Therefore, information being power, a Bill such as this represents a potential threat to the *status quo*. The age of information in which we live Mr. Chairman, has produced two types of information and this Bill, if it is looked at fairly and objectively, does not seek to undermine the security and stability of the Government and the State viz-a-viz., its control over mass media information. This Bill does not seek to take away the virtual monopoly that Government and State enjoy on the dissemination of information through the mass media. In fact even the mass media, as we have noted in previous debates, a reach of surprisingly limited segment of the population and if you go by quantification, this Bill seeks to will actually affect/engage in real terms a much smaller segment of the population than that reached by mass media dissemination of information Because after all that poor destitute, illiterate, deprived farmer or peasant is not going to very quickly overnight develop the ability to walk into the Federal Secretariat in Islamabad or indeed, the Deputy Commissioner's Office somewhere close to his village & asks for File No. 23. He has no concept that File No. 23 exists. So, therefore, the benefit of such a Bill will rest

for the foreseeable future with that segment of the society which is liberal or which is educated, which is investigative & which constitutes not more than a few thousand people in this entire country. They may end up as advocates of that poor, faceless destitute farmer. But, by no means, does this kind of Bill I think, represent a threat as visualized possibly an unacknowledged threat by the Government to the security that it enjoys by the control over the source of information and the spread of information.

Sir, section 4 of this Bill when one looks at it even though one is now on a general discussion of its principles, the systematic review of operation this is the one section of the Bill that I feel was not necessarily relevant to the scope of the Bill because while information implies accountability and certainly there is a need to strees the increase of efficiency and productivity in government departments I would need to be convinced whether section 4 of the Bill is in harmony with the overall purposes and principles of the Bill. Except for this section and section 3 the provisos that the mover of the Bill Professor Khurshid Ahmed has provided most comprehensively exempt government from providing information of all and any kind to people at a mere whim or at the drop of a hat. Indeed, I think, he has gone beyond even necessary considerations to include interdepartmental letters or memorandum which would not be available by law to a party other than the department in litigation with orther departments and so on and so forth. So, that this apprehension expressed in the report of the Standing Committee that the Bill seeks to do far too much and disrupts the normal pattern of administrative efficiency is not a tenable point of view. Therefore, I endorse the arguments that Professor Khurshid has submitted. I think the point made about the potential impact of the Bill on curbing corruption is a most valid and relevant point, Because above all when the administrative system will operate with the knowledge that at any time any notation or comment or advice given on a subject of public interest is accessable for public scrutiny. That alone will constitute a major incentive to avoid the recent pitfalls that our bureaucratic or administrative system have become accustomed to.

Now in saying this one must of course balance the need for access to data with the discretionary aspect of authority, it is an issue that has not been satisfactorily resolved even in Britian. Even in Britain today which is a model of parliamentary democracy and accountability it is best illustrated perhaps by a series that is on the face of it a series of entertainment but it is well known saying called 'yes minister'

[Mr. Javed Jabbar]

and it illustrates the paradox that in the world's most advanced system of parliamentary democracy, you have a preponderance of the bureaucracy or the administrative structure of society which still continues to have access to information that goes beyond the scope or the knowledge of the various Ministers that come and go through the corridors of power. So, the issue is not necessarily simply resolved by the adoption of a Bill. It has to do with the manner in which a Bill is enforced and applied. It has to do with all the levels of administrative responsibility provincial as well as federal but I think in a symbolic way coming as it does in 1988 at this time this particular Bill has a great relevance and significance towards advancing the cause of efficiency and accountability. Thank you.

Mr. Chairman : Thank you very much. Incidently in U.K. there is another debate also going with regard to the revision of the Official Secret Act. I think they are introducing a new Act and it would be worthwhile for some of us who have the time to spare to follow that debate.

پروفیسر خورشید احمد : میں نے سٹڈی کی ہے جی اسکی۔

Mr. Chairman : I am glad actually that somebody is doing this but it would be of considerable benefit to the House if we take advantage of what is being debated in that country. Maulana Kausar Niazi Sahib.

مولانا کوثر نیازی : جناب چیئرمین! بل پر میرے فاضل دوستوں پروفیسر خورشید اور جاوید جبار نے جو روشنی ڈالی ہے اور جو دلائل دیئے ہیں مجھے اعتراف ہے کہ میں ان میں اضافہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ صرف اس خیال سے کہ ایک نیک کام میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقع مل جائے۔ میں یہ چند لفظ کہہ رہا ہوں ہماری بدقسمتی ہے کہ صدیوں پہلے اسلام نے جو اصول عطا کئے تھے۔ بتدریج دنیا انہیں آہستہ آہستہ قبول کرتی چلی جا رہی ہے اور ہم مسلمان کہلانے والے ان سے ابھی تک کوسوں دور ہیں۔ اسی ضمن میں یہ آزادئ اطلاعات کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے اوائل میں اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں امور مملکت پر سیاہی اور اخفاء کا کوئی پردہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ دن کی روشنی کی مانند اجالے میں ہوتے تھے۔ ہر شخص اس

قابل تھا کہ وہ کسی بھی مسئلے پر احتساب کرسکتا تھا۔ اب عالم یہ ہے کہ چالیس سال ملک کی آزادی کو ہوگئے ہیں۔ لیکن کوئی اہل قلم اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ پاکستان کی تاریخ پر چالیس سالہ تاریخ پر کوئی مستند کتاب لکھ سکے۔ سبب یہ ہے کہ دستاویزات مہیا نہیں ہیں جنہیں وہ بطور سند پیش کرسکے، آزادی کی جدوجہد کی تاریخ بھی صحیح انداز میں مرتب ہونا مشکل تھی اگر برٹش لائبریری تک لوگوں کو access نہ ہوتا۔ اب جو وہاں سے شہادتیں مہیا ہوتی ہیں ان کے حوالے سے ہمارے سیاست دان اور مؤرخ کتابیں لکھ رہے ہیں لیکن ہماری تاریخ پاکستان کی چالیس سالہ تاریخ ایک سربستہ باب ہے اور جھانکنے کا اس کے اندر کوئی روزن نہیں ہے کوئی سوراخ نہیں ہے جس سے ہم دیکھ سکیں کہ چالیس سال ہماری قسمتوں کے فیصلے کس طرح ہوتے رہے۔ لگتا ہے کہ جو انداز حکومت یہاں کارفرما ہے اس کے ہوتے ہوئے شاید صدی گزر جائے گی اور ہماری قومی تاریخ پر اسی طرح پردے پڑے رہیں گے۔ اجتماعی پہلو سے قطع نظر انفرادی پہلو میں بھی ہم روز یہ چلاتے ہیں کہ بیوروکریسی کی گرفت اس قدر ہمارے نظام پر سخت ہے کہ بعض اوقات حصول انصاف کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ بل منظور ہو جائے تو بیوروکریسی کے احتساب کے لئے بھی ایک مؤثر ذریعہ فراہم ہو جاتا ہے اور ہر بیوروکریٹ فائل پر لکھتے وقت یہ سوچے گا کہ کل میری نوٹنگ کو روشنی میں آنا ہے اور میں احتساب کا نشانہ بن سکتا ہوں۔ اس لحاظ سے اجتماعی اور انفرادی دونوں پہلوؤں سے یہ بل قابل قدر ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ حکومتی بینچز اس پر پارٹی پالیٹکس سے بالاتر ہو کر صرف قومی جذبے سے غور کریں گے اور ہمارے فاضل وزیر قانون جو ایک ماہر قانون دان ہیں۔ وہ اسے اڈاپٹ کرنے میں تامل نہیں کریں گے۔ شکریہ!

جناب چیئرمین: شکریہ! جناب عبدالرحیم میرداد خیل صاحب۔

جناب عبدالرحیم میرداد خیل: شکریہ! جناب چیئرمین! میں پروفیسر خورشید احمد صاحب کی اس تحریک کی پر زور حمایت کرتے ہوئے مختصراً یہی کہوں گا کہ پاکستان کے

[Mr. Abdur Rahim Mir Dad Khel]

عوام ۔ جو جمہوری دور سے گزر رہے ہیں اس انداز سے بلکہ ہر پہلو سے یہ معلومات حاصل کرنے میں حق بجانب ہیں اس طرح اگر ہر فرد کو پوری معلومات حاصل ہوں تو اس سے جرائم میں کمی بھی واقع ہو سکتی ہے اور پاکستان کے جو ہیوروکریٹ لوگ ہیں وہ بھی اس طرح سوچیں گے کہ ہم نے واقعی عوام کے سامنے جوابدہ ہونا ہے اور پھر ہمارا احتساب ہونے والا ہے تو اپنے نامہ اعمال کو جمع کرنے کے لئے وہ پھر اس پر نظر ثانی بھی کر سکیں گے اور پاکستان کے جو عوام ہیں ان کو بھی یہ حق حاصل ہوگا اور وہ یہ کہیں گے اور فخر محسوس کریں گے کہ ہمیں جس چیز کی معلومات حاصل کرنا ہیں وہ معلومات ہمیں بروقت مل سکتی ہیں تو یہ اس ملک کی خیر خواہی بھی ہے اور اس ملک کی فلاح وبہبود کے لئے بھی اور پاکستان کے عوام کو اعتماد میں لینے میں ایک اہم ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے

چنانچہ میں اس تحریک کی پرزور حمایت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ اکثریت کی بنیاد پر نہیں بلکہ آپ حقائق کی بنیاد پر فیصلہ کریں گے اس ہاوس میں اس پر بحث کی ضرورت بھی ہے اور اس کی منظوری کی بھی ضرورت ہے، شکریہ!

Mr. Chairman : Any other honourable Member. The subject is extremly important and I thought that many other Members would like to express their views and participate in this general discussion. Would you like to reply ?

Mr. Wasim Sajjad : Mr. Chairman, Sir, the honourable Members who have supported this Bill . . . . .

جناب عبدالرحیم میرداد خیل : جناب والا! پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا یہاں سرکاری پینچیں ہیں، کافی ممبران ہیں، اکثریت ہے ان کو موقع دیا جائے کہ یہ بھی کچھ بولیں آخر یہ کہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کو بھی ضمیر کی آواز اٹھانی چاہیے

جناب چیئرمین : میں نے سب کو دعوت دی ہے اور جس کسی کی مرضی ہے وہ بیشک بول سکتا ہے

Mr. Wasim Sajjad : Mr. Chairman Sir, we have heard the honourable Members of the House who have drawn attention to certain positive results which they feel would ensue as a result of the adoption of this Bill. They have made reference to Government files and notings and they have said that by making them accessable to the public certain good results will follow. In particular, they feel that perhaps corruption can be controlled in this manner. They have also made reference to certain other countries where they say that Bills of this nature have been adopted. Mr. Chairman, the question is not whether America has adopted this Bill or the United Kingdom has adopted this Bill. The question is ;

(i) whether in Pakistan we need a Bill of this nature;

(ii) Whether our system our society will improve by the adoption of a Bill of this nature.

We have our own social conditions and before I deal with them the first question is; is there any restriction- general restriction on disclosure of information? As you know Sir, and as the Standing Committee has pointed out generally there is no restriction on providing or seeking information. There are certain specific laws to which reference has been made by Professor Khurshid Ahmad like the Official Secrets Act, there are certain provisions in the Penal Code, there are certain other laws which strictly prohibit disclosure of certain kind of information in the public interest. Otherwise, Sir, generally there is access to information of this nature. So, the general rule is that information is available and it is only in certain specific cases that by law the disclosure of information is restricted. We have to also see that we are working in an environment where we have parliamentary democracy and in a parliamentary system of Government Sir, the disclosure of information takes place in an institutionalized manner. What is afterall the Question Hour? Through the Question Hour in the National Assembly, in the Senate the Members seek information and the information is given to them in accordance with the rule on the subject. So, the representatives of the people have a right to ask for information and this information is given to them by the Government and as you know Sir, in the last three years or so we have had so many honourable Members asking so many questions and all this information is collected, tabulated. The officials work on it and try and provide correct informa-

[Mr. Wasim Sajjad]

tion. The purpose of this information is not only to satisfy the Member but the purpose of this information is to make it known to the people of Pakistan as to how the democracy in Pakistan is functioning. It is an open disclosure.

Then Sir, we have the principle of ministerial responsibility and I feel that this is very important concept. In the particular environment of Pakistan the decision making, as you know Sir, takes place by the file moving at a lower level and gradually coming up to the Minister, is it in the public interest? Would the person be able to honestly disclose his mind, the person at a lower level, the Depty Secretary, the Joint Secretary, if he knows that his information may be used against him that why did you make this decision, why Sould he be exposed to this kind of public pressure. We are here Sir, to take all this public pressure. The decisions that are taken by the Ministers are challengeable, we are accountable to the people of Pakistan through the Parliament of Pakistan. Therefore, Sir, it may not be in the public interest. I am not talking of America, I am not talking of England, I am not talking of France, I am talking of Pakistan. Would it be in the public interest? There a person of the level of a Deputy Secretary or a Section Officer is exposed when he knows that whatever decision I put down on the file tomorrow I may be questioned it. Sir, it may not be in the public interest. It will not only be against the public interest, it may also cut accross the principle of ministerial responsibility where ultimately the Minister takes responsibility for every decision which is taken in his department and for that decision not only is he liable to disclose that decision, he is accountable to the people of Pakistan through Parliament. Therefore, Sir, I feel that in the particular environment of Pakistan the Parliament functioning the manner in which it functions. provides the means by which the people of Pakistan come to know as to how and why a particular decision is taken.

Then Sir, as very rightly pointed out we have in the laws which are passed from time to time and so many laws have come even before this House where it is provided in the law itself that a particular paper. a particular annual report, a particular decision shall be disclosed by laying the papers, on the Table of the House Certain reports or public documents— can be asked for and they are available. All these Sir, are matters by which information is provided to the people of Pakistan. This matter Sir, was considered at length as pointed out by the

honourable ember himself, this Bill was debated at length in the Standing Committee for over two years and each aspect of this Bill was carefully considered and the Committee came to the consiusion that the arrangements which we have at the moment are adequate particularly considering the fact that the Government itself intends to move a National Archive s Bill by which further facilities will be made for further disclosure of information in the public interst. Professor Khurshid Ahmed has himself said Sir, that the Cabinet Division has already taken certain decision as a result of which certain documents would come before the public and become easily accessable to the public and apart from that Sir, the Government intends to move in Parliament a National Archive's Bill. The purpose of this Bill would be to make information more accessable to make further disclosure and for this Sir, I would refer you to the report of the Standing Committee itself. In paragraph 8 they say; the Sub–committee considered these points. Now these points, they refer to the points raised by Professor Khurshid and concluded that there were more effective administrative means of providing consolidated information on this subject. Legislation was not the right course for this purpose. The Sub–Committee therefore, reaffirmed its conslusion that further legislation is not required on this subject at this stage except the proposed National Archive's Bill which is being considered separately. Professor Khurshid Ahmad, however, reserved his right to pursue this Bill in the Standing Committee but unfortunately, he was out of the country and was therefore, absent. Then Sir, earlier on, the Sub–committee also concluded that the provisions of the remaining sections i.e. section 31(f) and 5 and 6 went too far. In our circumstances, legal rights of this nature to all citizens to obtain copies of all administrative orders and internal noting could be seriously misused by all those who were adversely affected by these orders particularly in matters of the award of contracts or recruitments. The objective of increased accountability in these matters can be usefully pursued by strengthening the role of Parliamentary Committees.

Now that is an important point Sir. As I said we must strengthen our institutions, strengthen Parliament; this is the vehicle available to the people of Pakistan to get all the information that is needed through their members, through the Parliamentary committees, as we know Sir, the Parliamentary committees are fully competent to ask for any information on any matter pertaining to that department. So, the

[Mr. Wasim Sajjad]

means are available, there are certain loopholes which as you rightly pointed out Sir, we can further look into. There is a need for examination of the individual laws to see whether the restrictions that were imposed, let us say, under the Official Sectets Act, let us say under the Penal Code whether those restrictions are valid, whether they should be continued or not, that requires a separate discussion. But this kind of Bill trying to pattern ourselves on the United States, Sir, we are not United States of America. I don't think Sir, it is proper and appropriate at this stage that in these matters we follow the United States of America. We fully respect the principle of accountability that is an Islamic concept and as I said we uphold that concept. We believe in that concept and information is available through our institutions but to allow a snooping enquiry by anybody as we know Sir, the environment in our own country to put the officials under pressure when they know that whatever they decide will be known all over the Pakistan, the very next day, when there are powerful vested interests who have a reason to exploit these things. No Sir, in our country let the responsibility rest where it should rest that is the highest in the department, he is accountable, we are answerable, we are questionable, we will answer, we will give all the information that is required in accordance with the Parliamentary norms and this Bill Sir, therefore, not necessary at this stage when the time comes when we become the United States of America Sir, we will reconsider this matter. Thank you Sir.

پروفیسر خورشید احمد: جی شکریہ! جناب والا! میں نے اپنی ابتدائی معروضات میں بھی یہ بات کہی تھی کہ حکومت نے شروع میں اس مسئلے کے اوپر جس مثبت رویئے کا اظہار کیا تھا وہ بہت جلدی تبدیل ہو گیا اور اب نہ صرف یہ کہ حکومتی پارٹی کے فاضل اراکین نے بحث میں حصہ نہ لینا پسند کیا بلکہ محترم وزیر عدل نے جو بات نجی طور پر مجھے بتائی تھی کہ پارٹی کا فیصلہ بل کے خلاف ہو چکا ہے اس لئے ہمیں بہر حال اسے اپوز کرنا ہے اسی کو انہوں نے اس وقت اپنے خوبصورت انداز میں پورا کر دیا۔ جناب والا! مجھے ان کی لیاقت کا پورا پورا اعتراف ہے وہ ہمارے بڑے ذہین اور promising وکلاء میں سے ہیں اور میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن جس طرح انہوں نے اس بل پر تنقید کی ہے وہ خاصی مایوس کن ہے انہوں نے کہا ۔

ہے کہ ہمارے پاس ایسے ادارے موجود ہیں جن کے ذریعے جوابدہی کی جا سکتی ہے اور خصوصیت سے پارلیمنٹ میں کوئسچن آور اور منسٹریل ذمہ داری ان دو اصولوں کا انہوں نے سہارا لیا ہے، کیا میں انہیں یاد دلاؤں کہ خود جمہوریت ایک evolving process ہے انگلستان کی پارلیمنٹ میں جس وقت کوئسچن آور انٹروڈیوس ہوا ہے اور آج دنیا کے مختلف ممالک میں جس طریقے سے اس پر عمل ہو رہا ہے اس زمانے میں دنیا میں اتنی تبدیلی ہوئی ہے Communication کے نظام میں اتنا فرق واقع ہوا ہے۔ حکومت کی ذمہ داریاں اتنی بڑھی ہیں وہ ریاست جس کے بارے میں "مل" نے کہا تھا کہ جمہوریت اسٹیٹ کا اصل فنکشن ہے وہ اس چیز کے اوپر confined ہے کہ وہ انٹرنل لاء اینڈ آرڈر اور ایکسٹرنل ڈیفنس تک محدود ہے۔ اس کے آگے جو کچھ ہے وہ عوام کا معاملہ ہے ریاست کی ذمہ داری نہیں ہے لیکن انیسویں صدی کے یہ تصورات آہستہ آہستہ بدلتے گئے۔ ریاست کے فنکشن بڑھتے گئے۔ decision making کے معاملات complex ہوتے گئے۔ ویلفیئر سٹیٹ، سوشلزم، کرائسس آف کیپٹلزم ان تمام کے نتیجے میں سوسائٹی میں جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انفارمیشن کے چینل جو انیسویں صدی کے وسط میں کوئسچن آور کی شکل میں بنائے گئے تھے ان پر قانع رہیں اور ملک میں اکاؤنٹیبلیٹی کے جن نئے نئے ذرائع کی ضرورت ہے ہم ان سے صرف نظر کریں تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ بڑی کمزور اور ناپختہ بات ہوگی دنیا میں جو تبدیلیاں آرہی ہیں۔ جو تبدیلیاں ہمارے معاشرے میں آرہی ہیں جو نئی ضروریات ہماری ہیں اگر ہم ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قانون، پروسیجر اور اکاؤنٹیبلیٹی کے نظام کو تبدیل نہیں کرتے تو ہم وقت کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

کوئسچن آور بہت ضروری ہے لیکن کوئسچن آور کے ذریعے پورے سال میں جتنے ایشوز آتے ہیں اور جس نوعیت کے ایشوز آتے ہیں اور وہ تمام معاملات جو اس بل کا

[Prof. Khurshid Ahmed]

ہدف ہیں ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس بل کے ذریعے اس ملک کے دس کروڑ عوام معلومات کے حصول اپنے حقوق کے تحفظ اور حکومت میں اپنے معاملات کے لئے ہر سطح کے اوپر اپنے لئے حق حاصل کرنے کے لئے زیادہ مؤثر حیثیت حاصل کرینگے یہ exclusive پریولیج نہیں رہے گا کہ یہ تین سوا تین سو افراد جو ان ایوانوں میں ہیں جو معلومات ان تک پہنچ جائیں جو بے قاعدگیاں ان کے علم میں آجائیں ان کو خوبصورتی سے سوال کی شکل میں ڈھال دیں اور پھر آپ کہیں پوری اور کہیں نامکمل معلومات دیکر اس سے گلو خلاصی حاصل کر لیں حقیقت یہ ہے کہ آج اکاونٹیبلٹی کے لئے یہ نظام ناکافی ہے۔ یہ ضروری ہے لیکن sufficient نہیں ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اکاونٹیبلٹی کے دوسرے اقدامات کیے جائیں دوسری تبدیلیاں لائی جائیں دوسری policies بنائی جائیں اسی معاملہ پر انہوں نے منسٹریل responsibility کے اصول کو invoke کیا ہے اور theoretically یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ منسٹر جو ہے وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کا انچارج ہوتا ہے لیکن وہ اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ عوام کے لئے جتنے فیصلے آپ کے ڈیپارٹمنٹ کرتے ہیں ان کا عشر عشیر بھی نہ آپ کے علم میں آتا ہے نہ آ سکتا ہے۔ اور نہ آنا چاہیے۔ رولز آف بزنس کا آپ اگر مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قاعدے سے ۹۰/۹۵ فیصد معاملات جو ہیں وہ جوائنٹ سیکرٹری کے لیول تک طے ہو جانے چاہیئں صرف اوپر وہ چیزیں آتی ہیں جو کچھ خاص ضابطوں کے مطابق جن کا اوپر تک فیصلہ ہونا ضروری ہوتا ہے جو بل میں لیکر آ رہا ہوں اس کے نتیجے کے طور پر محض وہ چیزیں نہیں ہیں جن میں ڈائریکٹ منسٹر involved ہے یا جن میں functionally منسٹر ذمہ دار ہے وہ تمام معاملات جس میں ایک فرد کا معاملہ حکومت کے کسی ڈیپارٹمنٹ کسی ادارے سے ہو رہا ہے وہ تمام اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

جناب والا! یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ دراصل ہم ایک under developed country میں ہم امریکہ سے مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں جناب والا! پورے ادب سے عرض کرونگا کہ شاید وزیر موصوف نے امریکہ کے بل آف انفارمیشن اور میرے مجوزہ بل کا مقابلہ نہیں کیا امریکہ میں جس درجے پر آزادی دی گئی ہے اور جس قسم کی اکاونٹیبلٹی وہاں ہے وہاں تو یہاں تک موجود ہے کہ ہر ڈیپارٹمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر سال ایک رپورٹ تیار کرے کہ کن کن چیزوں کے بارے میں معلومات اس سے مانگی گئیں اور کس میں اس نے انکار کیا اور یہ پوری رپورٹ نہ صرف شائع ہو بلکہ پارلیمنٹ کے دونوں ہاوسز کو ارسال کی جائے میں وہاں کا مقابلہ نہیں کر رہا ہوں میں نے اس کی مثال اس لیئے دی تھی وہ ایک انقلابی اقدام تھا اور اس کے بڑے مثبت اثرات نکلے ہیں لیکن جیسا میں نے عرض کیا تھا کہ ۹۲ ۱۸ء میں سکینڈے نیوین کنٹری نے اس سلسلے میں پہلا قانون پاس کیا تھا امریکہ نے تو ۱۹۶۶ء میں کیا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ ہم صرف امریکہ کی تائید کر رہے ہوں۔ دوسری طرف جب جمہوریت کی باتیں ہوتی ہیں ماڈرن سولائزیشن کی باتیں ہوتی ہیں نئی ٹیکنالوجی کی باتیں ہوتی ہیں تو ہمارے ساتھی بہت بڑھ چڑھ کر کہتے ہیں کہ دنیا میں یہ ہو رہا ہے ہمیں یہ کرنا چاہیئے اور وہ کرنا چاہیئے لیکن جناب والا! اگر دنیا میں دوسری طرف اچھے تجربات ہیں عوام کے حقوق کا معاملہ آتا ہے یا وہ چیزیں آتی ہیں جن سے آپ effectively کرپشن کو چیک کر سکتے ہیں تو پھر ہم کہتے ہیں کہ ہم تو انڈر ڈویلپڈ ہیں ہمیں اپنے حال میں مگن رہنا چاہیئے ہم دنیا کے تجربات سے کیوں فائدہ اٹھائیں۔

جناب والا! یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم ایک petty ایڈمنسٹریٹو کو ایک ڈپٹی سیکرٹری کا کو ایک سیکشن آفیسر کو expose کر دیں گے میں صاف عرض کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس ملک میں کلین ایڈمنسٹریشن چاہتے ہیں تو ایڈمنسٹریٹر کے سامنے یہ بات ہونی چاہیئے کہ جو فیصلہ وہ کر رہا ہے اس فیصلے کا تمام حسن و قبیح اس کے سارے پہلو صرف اس

[Prof. Khurshid Ahmed]

کے superiors کے نہیں بلکہ اس ملک کے عوام کے سامنے بھی آئینگے جبھی اس کے اوپر ایک چیک ہوگا تو وہ انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گا جبھی یہ ممکن ہوگا کہ vested interests اپنے مفاد کے مطابق فیصلے نہیں کروا سکے گا اس لئے کہ vested interests کو تو آج بھی access حاصل ہے اگر access حاصل نہیں ہے تو وہ عوام ہیں وہ افراد ہیں جن کے پیچھے پارٹی نہیں ہے جن کے پاس پیسہ نہیں ہے جو مظلوم ہیں جو مجبور ہیں اور اس کے ذریعے سے ان کو فائدہ پہنچے گا vested interest کو نہیں آپ کیوں اس بات پر خائف ہیں کہ contract کی ساری پارٹیوں کی بات سامنے آتی ہے اگر آپ نے فیصلہ حق و انصاف کے مطابق کیا ہے تو آپ کو اسے face کرنا چاہیے اور اگر آپ نے اس میں کچھ گھپلا کیا ہے تو فی الحقیقت آپ چاہیں گے کہ اس پر پردہ پڑا رہے اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ پردہ اٹھے تا کہ اس ملک میں ایڈمنسٹریشن clean ہو انصاف کے مطابق ہو رشوت ختم ہو ویسٹڈ انٹرسٹ کا زور ختم ہو اور ہر فرد فیصلہ کرتے وقت یہ سوچے کہ مجھے خدا اور خلق دونوں کے سامنے جوابدہی کرنی ہے اور جو کچھ میں لکھ رہا ہوں۔ اس کا صرف کراماً کاتبین ریکارڈ نہیں رکھ رہے ہیں بلکہ کل وہ تمام افراد جو اس سے متاثر ہو رہے ہیں وہ بھی اس کو دیکھیں گے وہ اس کو سامنے لائیں گے اور اگر میں نے گھپلا کیا ہے، دھاندلی کی ہے تو وہ جواب طلب کریں گے۔ ایک طرف آپ رونا روتے ہیں کہ ہم بلین روپے بلیک منی ہے جو کہ ایڈمنسٹریشن کھا رہی ہے، رشوت کی نظر ہو رہا ہے، آپ اس کو کیسے روکیں گے یہ نہیں رک سکتا جب تک آپ اس نظام کو کھولیں گے نہیں۔ رشوت اسی وقت ختم ہوگی، ویسٹڈ انٹرسٹ کا رول اسی وقت ختم ہوگا یہ تمام under hand کاروائیاں اسی وقت ختم ہوں گی جب آپ اوپن ایڈمنسٹریشن لائیں گے لیکن اسے آپ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو مجھے بتائیے کہ ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ ملک ڈوبا جا

رہا ہے، ہمارے وسائل ختم ہو رہے ہیں، بلیک منی ہر جگہ فراواں ہے اور دوسری طرف سے وہ تمام راستے، جن سے آپ اس کو روک سکتے ہیں، چیک کر سکتے ہیں انہیں آپ یہ کہہ کر ویسے ہی رہنے دے رہے ہیں کہ ہم امریکہ نہیں ہیں۔ ہم یورپ نہیں ہیں، ہم ترقی یافتہ نہیں ہیں، ہم پڑھے لکھے نہیں ہیں، یعنی status quo کو آپ کیوں perpetuate کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اچھی بات جہاں سے بھی ملے لے لینی چاہیے، یورپ کی غلط چیزیں بری چیزیں ہیں جو ہیں ان کو اپنانے کے لئے تو آپ بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں لیکن وہ چیزیں جن کی بنا پر ان کے نظام میں کوئی نظم ہے، کوئی ڈسپلن ہے accountability ہے، حقوق لوگوں کے محفوظ ہیں، ایڈمنسٹریشن میں لوگوں کی شنوائی ہو سکتی ہے، وہاں تو آپ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ امریکہ تو کر سکتا ہے لیکن ہم نہیں کر سکتے۔

جناب والا! اس under developed mentality سے نکلیئے، دنیا کے آج کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا کیجئے، اور انفارمیشن فراہم کرنے کے لئے بلا شبہ وقفہ سوالات بھی ضروری ہے communication media تک رسائی بھی ضروری ہے لیکن اس کے علاوہ ان تمام ذرائع کی جن کی دنیا کے بدلتے ہوئے حالات ایڈمنسٹریشن کی بدلتی ہوئی ضروریات، اسٹیٹ کے نئے رول، جو complex processes ہیں ان تمام کی بنا پر جہاں جہاں openess کی ضرورت ہے اور جہاں جہاں انفارمیشن لانے کی ضرورت ہے، اس کے لئے آگے بڑھیے، ٹھیک ہے ایک ترتیب سے بڑھیئے، لیکن ہمیں اس طرف بڑھنا پڑے گا۔ جبھی ہم اپنے عوام کے حقوق ادا کر سکیں گے اور کوئی بہتر نظام قائم کر سکیں گے۔ شکریہ!

Mr. Chairman : This brings to conclusion the first reading of the Bill and I will now put the question. The motion moved is :

> "That the Freedom of Information Bill, 1985, as reported by the Standing Committee, be taken into consideration at once."

(The motion was negatived)

Mr. Chairman : The Bill is rejected.

جناب عبدالرحیم میرداد خیل : جناب والا! میری گزارش یہ ہے کہ جن معزز اراکین نے NO کہا ہے، ان کو کم از کم چاہیئے تھا کہ وہ دلائل سے ثابت کر کے NO کہتے۔ اس لیئے کم از کم دو چار منٹ ان کو NO کی وضاحت کے لئے وقت دے دیں۔

جناب چیئرمین : بغیر دلیل کے بھی اس سوال کا جواب "ہاں" یا "نہیں" میں دیا جا سکتا ہے اور دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اگلی آئیٹم قاضی حسین احمد کے نام ہے، وہ ایوان میں موجود نہیں ہیں۔ اس لئے میرے خیال میں اسے postpone کرنا پڑے گا۔

Motions under Rule 194. The Rule 194 replaces the old rule of 187.

پہلی موشن مولانا کوثر نیازی صاحب کے نام پر ہے۔

To move that the House may discuss the Government policy on medical facilities provided to Government employees all over the country.

مولانا صاحب آپ موو کریں۔

MOTION UNDER RULE 194 *RE* : MEDICAL FACILITES PROVIDED TO THE GOVERNMENT EMPLOYEES

Maulana Kausar Niazi : I beg to move that this House may discuss the Government policy on medical facilities provided to Government employees all over the country.

جناب چیئرمین : اس ریزولیوشن پر بحث کے متعلق تو کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا... ٹھیک ہے، مولانا صاحب، آپ اپنے point of view کی وضاحت کریں۔

مولانا کوثر نیازی : جناب والا! یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ایک اسلامی مملکت اپنے تمام باشندوں کی بنیادی ضروریات زندگی کی کفیل ہوتی ہے۔ کجا وہ لوگ جو اس کے ملازم ہوتے ہیں اور اپنی جوانیاں اس کی خدمت میں اور اس کے نظام کو مستحکم کرنے میں کھپا دیتے ہیں اور صحت کے لئے سہولتیں مہیا ہونا یہ ایک ایسا بنیادی حق ہے جو عام لوگوں کو بھی ملنا چاہیے مگر سرکاری ملازموں کو تو بدرجہ اولیٰ اس کا حق حاصل ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ سرکاری ملازمین میں بھی دو طبقے بنا دیئے گئے ہیں۔ ایک چھوٹے سرکاری ملازم ہیں اور دوسرے افسران ان دونوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کے اندر بے حد تفاوت اور بے حد فاصلہ پایا جاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بڑے افسران، سیکرٹری صاحبان اور دوسرے بعض حکام عملہ کو بیرون ملک علاج کرواتے ہیں اور ایک ایک آفیسر پر بعض صورتوں میں پندرہ پندرہ، بیس بیس لاکھ روپے خرچ ہوئے اس سلسلے میں قومی اسمبلی اور سینیٹ میں جو تفصیلات بعض سوالوں کے جوابات میں حکومت نے پیش کی ہیں، ان کی رو سے یہ بات آسانی سے پوچھی جا سکتی ہے کہ جناب کیا آپ یہ بتائیں گے کہ کبھی درجہ ایک سے پانچ تک کے کسی ملازم کو بھی بیرون ملک

[Maulana Kausar Niazi]

بھیجا گیا، خواہ وہ مدقوق کیوں نہ ہو، خواہ کینسر کا مریض کیوں نہ ہو، خواہ وہ ایسے امراض میں مبتلا کیوں نہ ہو جن کا علاج ملک میں ممکن نہ ہو، بیرون ملک ہی علاج ہو سکتا ہو، لیکن نہیں، چونکہ وہ ایک غریب چپڑاسی ہے، چونکہ وہ ایک معمولی کلرک ہے اس لئے وہ اس سلوک کا مستحق نہیں ہے کہ جو سلوک ایک بڑے افسر اور ایک اعلیٰ حکام کے ساتھ یہ اسلامی حکومت روا رکھتی ہے، سرکاری ملازموں پر یوں تو پہلے ہی یہ سہولت چسپاں ہے کہ انہیں ہسپتالوں میں علاج کرانے کی اجازت ہے اور وہ فری ٹریٹمنٹ کے مستحق ہیں لیکن اس کی کیفیت کیا ہے میں آپ کو عرض کرونگا بیشتر روپیہ جو اس مد میں منظور ہے وہ کرپشن اور غلط بلنگ اور بوگس دوائیوں کے کھاتے میں چلا جاتا ہے، میں ایک مثال آپ کو پیش کرتا ہوں، پاکستان سٹیل ملز جہاں بائیس ہزار ملازمین کام کرتے ہیں ان کے لئے تیرہ کروڑ روپیہ سالانہ میڈیکل facilities کے لئے بل منظور ہے۔ گویا پانچ سو ماہوار فی کس خرچ ہوتا ہے، صحت اور طبی سہولتیں مہیا ہونے پر مگر یونین آئے دن یہ چیخ پکار کرتی رہتی ہے کہ ہمیں کچھ نہیں ملتا سب روپیہ بوگس بلنگ میں چلا جاتا ہے اور جعلی دواؤں کے کھاتے میں صرف ہو جاتا ہے۔ بعض ایسے ہسپتال موجود ہیں اور ایسے ادارے موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ تیرہ کروڑ نہیں اگر ہمیں تین کروڑ روپیہ بھی دیا جائے تو ہم بائیس ہزار ملازمین کا سال بھر کے لئے علاج کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اس طرح کی درخواستوں پر غور نہیں ہو سکتا کیونکہ تیرہ کروڑ سالانہ کی رقوم میں پھر کرپشن کیسے کی جا سکتی ہے۔

جو صورت حال سرکاری ہسپتالوں کی ہے، جن میں ان سرکاری ملازمین کو علاج کرانے کے لئے کہا جاتا ہے، وہاں حالت یہ ہے کہ اول تو ڈاکٹر بہت کم ہیں اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ غریب ڈاکٹر بہت افراط سے یہاں پائے جاتے ہیں، یہ جنس بڑی نایاب نہیں ہے بلکہ بہت ملتی ہے، ڈاکٹر بے روزگار ہیں، ان کو کوئی پوچھتا

نہیں۔ ان کو بھرتی نہیں کیا جاتا اور سرکاری ہسپتال ڈاکٹروں کی کمی کی وجہ سے مریضوں کی کثرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اِن ڈور اور آوٹ ڈور شعبوں میں مریضوں کا اتنا رش ہوتا ہے کہ قطاروں میں لگنے کی وجہ سے اگر کوئی صبح وہاں چلا جائے تو شام کو بمشکل اُس کی گلو خلاصی ہوتی ہے پھر ادویات کی عدم دستیابی ہے کوئی سرکاری ملازم کسی ہسپتال میں چلا جاتا ہے اور وہاں اُس کی باری آتی ہے تو اوّل تو ڈاکٹر کو اتنا موقع ہی نہیں ہوتا کہ وہ مریض کو تسلی سے دیکھ سکے، ادھر مریض بیٹھا اور ادھر قیافہ، علم قیافہ کے یہ اتنے ماہر ہیں، قیافے سے دیکھ کر نبض بھی دیکھے بغیر اندازہ کر لیا کہ یہ فلاں مرض کا شکار ہے اور جھٹ اس نے نسخہ لکھ دیا پھر وہ نسخہ لے کر غریب سرکاری ملازم جب جاتا ہے دوائی لینے، تو پھر اسے ایک اور لمبی لائن کا منتظر رہنا پڑتا ہے اور اس کے اندر لگے لگے جب اُس کی باری آتی ہے اور اُس کے سر پر ہما بیٹھتا ہے قسمت سے، تو وہ اس ارشاد کا سامنا کرتا ہے کہ دوائی دستیاب نہیں ہے یہ دوائی out of stock ہے۔ اس پر تم ڈپٹی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے دستخط کراؤ۔ پھر وہ قسمت کا مارا ڈپٹی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور پھر ایک لمبی قطار کے اندر کھڑا ہو جاتا ہے پھر جب کہیں اُس کی باری آتی ہے تو اتنے میں ہسپتال کا وقت ختم ہو جاتا ہے وہ پرچی وہاں چھوڑ جاتا ہے اگلے دن کہیں جا کر اس کو دوائی مل جائے تو بڑا خوش نصیب ہے۔ تین دن گویا مریض اس انتظار میں ہے اگر ملک الموت نہ آئے تو وہ اس دوائی سے استفادہ کر سکے گا۔ ورنہ جو اللہ کو منظور ہے وہ اس کے ساتھ ہو جائے گا۔

پولی کلینک اسلام آباد، میں چونکہ اسلام آباد میں رہتا ہوں اور مجھے کبھی کبھی ہسپتالوں کا چکر لگانا پڑتا ہے کسی کو دیکھنے کے لیے یا کبھی کسی ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے، تو پولی کلینک ہسپتال، جس کا نام اب سروس ہسپتال ہے، سروس ہسپتال کی بجائے اگر اس کا

[Maulana Kausar Niazi]

نام Dis-service ہسپتال ہو تو شاید زیادہ موزوں ہوگا۔ وہاں اگر آپ جائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ مریضوں کے ساتھ کیا حسنِ سلوک ہوتا ہے۔ کبھی کسی سرکاری ملازم کو کمرہ ملنے کا، تو خیر بڑی بات ہے کہ کمرہ مل جائے وہ تو اسمبلی کی سیٹ کے برابر ہے بلکہ سینیٹ کی سیٹ کے برابر ہے۔ کوئی کمرہ خالی ہی نہیں ہوتا یا اسے یہی بتایا جاتا ہے کہ کمرہ خالی نہیں ہے۔ اور کبھی آپ نئے ہسپتال چلے جائیں جو اسلام آباد میں کھلا ہے آپ کو نظر آئے گا جیسے کوئی تہوار یا میلہ ہے جس کے اندر لوگ شامل ہونے آئے ہیں۔ اس قدر انسانوں کا رش ہوتا ہے کہ الامان و الحفیظ۔ اور جو غریب سرکاری ملازم ہیں وہ وہاں اگر کبھی اوقات کار میں چلا جائے اپنے سرکاری دفتر سے چھٹی لے کر تو کوئی سوال ہی نہیں ہے کہ وہاں دوائی لے سکے۔ الا یہ کہ اسے چھٹی ہی کے دن بیمار ہونا پڑے اور چھٹی کے دن ہسپتال کھلا ہو تو پھر جا کر اسے دوائی دستیاب ہوتی ہے۔ جناب چیئرمین! مجھے پتہ ہے کہ غالباً ۵۰/- روپے چھوٹے درجے کے سرکاری ملازم کو دواؤں کی خرید کے لئے ملتے ہیں۔ لیکن ۵۰/- روپے میں تو چیونگم بھی نہیں ملتی، دوائی کہاں دستیاب ہوگی۔ یہ آپ خود انصاف کر سکتے ہیں۔

یہ کیسی اسلامی ریاست ہے جناب والا! جس کے اندر سرکاری ملازموں کو کہ جو رات دن اس نظام کی خدمت میں کولہو کے بیل کی طرح جتے رہتے ہیں ان کو طبی سہولتیں بھی میسر نہیں۔ مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کی وہ بات یاد آگئی کہ ایک عام شہری کو انہوں نے بڑھاپے میں دیکھا کہ وہ ایک راستے میں پڑا ہے آپ نے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار ہے بوڑھا ہو گیا ہے اسکا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ فرمایا حیف ہے اس معاشرے پر کہ جو جوانی میں تو کام لیتا ہے ایسے لوگوں سے، جوانی میں تو ان سے خدمت لیتا ہے اور بڑھاپے میں ان کو چھوڑ دیتا ہے اپنے حال پر کہ کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ تو ان کے بڑھاپے کی تو بات اور ہے جب یہ بوڑھے ہوتے ہیں غریب تو اس وقت تو جو عالم ان پر گزرتا ہے، اس کا اللہ کسی کو حال نہ دکھائے لیکن

سرکاری ملازمت کے دوران بھی ان بے چاروں کو اپنے بچوں کے لئے اپنے depen-dents کے لئے دوائی نہیں ملتی۔ اور بہت سی صورتوں میں ان کے ساتھ وہ سلوک ہوتا ہے جو سوتیلی مائیں بھی اپنے بچوں کے ساتھ نہیں کرتیں۔ یہ سوتیلی ماں اسلامی حکومت کہلاتی ہے میں اس بات پر اب تک متعجب ہوں کہ ایسی حکومت جو اپنے سرکاری ملازموں کو بھی طبی سہولتیں فراہم نہیں کرسکتی وہ اسلامی حکومت کہلانے کی کیسے دعویدار ہے۔

اسلام آباد کیپیٹل، اور شہر کے شہر جو ہیں ہمارے ملک کے ان کے اندر تو ہسپتالوں کی کمی ہے ہی لیکن اس شہر کے اندر جو روشنیوں کا شہر کہلاتا ہے اس میں مختلف سیکٹروں کے اندر ڈسپنسریاں کھولنے کی ضرورت ہے مزید ہسپتال کھولنے کی ضرورت ہے، بے روزگار ڈاکٹروں کو ملازمتیں دینے کی ضرورت ہے اور ان دوائیوں سے بھی سرکاری ملازموں کو نجات دلانے کی ضرورت ہے جو غیر معیاری ہیں جو out of dated ہیں۔ میں نے بعض اوقات یہ بھی دیکھا ہے کہ جو دوائی ان کو ملتی ہے اس کی date ختم ہو چکی ہوتی ہے اگر اسے وہ استعمال کریں تو اللہ کو پیارے ہو جائیں ویسے ہی۔ لیکن یہ دوائیں ان کی قسمت میں لکھی گئی ہیں۔

جناب چیئرمین! میں اس تحریک کے ذریعے حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ وہ اس مخلوق پر رحم کرے جسے ہر شخص تنقید کا تو مستحق سمجھتا ہے لیکن جو ان کے جائز حقوق ہیں ان کے لئے کوئی آواز نہیں اٹھاتا۔ ہم اس بات کو بھول گئے کہ شیخ سعدی نے صدیوں پہلے یہ اصول دیا تھا جو ہر رفاہی مملکت کجا کہ اسلامی مملکت کا سنگ بنیاد ہے۔ کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔ کہ جو خوش دل مزدور ہوتا ہے جو مطمئن اہلکار ہوتا ہے سرکاری ملازم ہوتا ہے وہ زیادہ کام کرتا ہے اور جو مطمئن نہ ہو جس کے حقوق پامال کئے جا رہے ہوں جس کی صحت خراب ہو جس کی دوا دستیاب نہ ہو کہ جس کے بچے گھر میں بیمار پڑے ہوں اور اس کا دل ان میں لگا ہو اور پھر مجھے شیخ سعدی یاد آ گئے انہوں نے کہا کہ

[Maulana Kausar Niazi]

شب چوں وقتِ نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم

رات میں نے نماز کی نیت کی مجھے خیال آیا کہ صبح میرے بچے کیا کھائیں گے۔ تو ان غریبوں کو اس صورتحال سے نجات دلایئے ترجیحات یہ مقرر کیجئے۔ ترجیحات سنگ و خشت کے بڑے بڑے ایوان کھڑے کر دینے کی یہاں نہیں ہونی چاہیے بلکہ جو انسان آپ کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے حقوق ادا کیجئے یہی ایک اچھی مملکت، ایک رفاہی مملکت اور ایک اسلامی مملکت کا طرۂ امتیاز ہے۔ شکریہ!

جناب چیئرمین: شکریہ! نیکسٹ جناب عبدالرحیم میرداد خیل صاحب۔

جناب عبدالرحیم میرداد خیل: شکریہ جناب چیئرمین! مولانا محترم نے جو تحریک پیش کی ہے میں بھی اسی برادری سے تعلق رکھتا ہوں جو کہ غریب طبقہ ہے حقیقتاً یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو غریب کی زندگی ہے وہ تو نہایت ہی پُرسکون گزرتی ہے اور اس کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ کل کو میرے جو بہت بڑے بڑے کارخانے ہیں یہ نہ جائیں گے یا بہت بڑے بڑے بینک بیلنس ہیں یہ رہ جائیں گے لیکن غریب کو اتنا ہی احساس ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ خدایا جب مجھے دنیا سے اٹھائے تو ایمان کے ساتھ اٹھائے۔ اس کی یہی دعا ہوتی ہے، غریب کی یہی دعا ہوتی ہے۔ جناب چیئرمین!

ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ کہنے میں حق بجانب ہیں اور ہمیں فخر ہے کہ اس دھرتی کو اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک نعمت کے طور پر دیا ہے جس کیلئے ہم شکر گزار ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اس ملک میں رہتے ہوئے حق بجانب ہیں کہ ہمیں وہ حق حقوق حاصل ہونے چاہئیں جس کا ایک بنی نوع انسان مستحق ہوتا ہے اور ہم اس ملک میں وہ انسانیت کا رشتہ چاہتے ہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ غریبوں کے ساتھ شفقت فرمائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں مساواتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہو نہ کہ مساواتِ بندگی اس لئے اس ملک میں اگر غریب چوکیدار یا چپڑاسی ہے تو انسانیت کے دائرے

ہیں اسے بھی حق حاصل ہونا چاہیے۔ ایک بڑے سرمایہ دار کو بھی حق حاصل ہے کہ اسے اسے بھی علاج معالجے کی بنیادی سہولتیں حاصل ہوں۔ لیکن ایک غریب چپڑاسی کو وہ مراعات نہیں دی جاتیں جو کہ ایک بڑے آدمی، ایک بڑے افسر کو حاصل ہوتی ہیں۔

جناب والا! صحابہ کرام کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ افریقہ کے رہنے والے ہیں۔ کالے سیاہ ہیں لیکن جب انہوں نے اذان دی تو سحر ہوئی۔ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو دیکھیں۔ اس لئے انسانیت کا تقاضا دیکھیں۔ ہم اس ملک میں سُرخ فیتے کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ غریب کس زمرے میں آتے ہیں۔ یہ سرمایہ دار یا قومی اسمبلی کے اراکین یا سینیٹ کے اراکین، ان غریبوں کی جھونپڑیوں میں جاتے ہیں اور ان سے اپیل کرتے ہیں کہ خدارا۔ میں تو تمہارا بہت ہی غم خوار ہوں، میں تو تمہارا ہی ہمدرد اور خیرخواہ ہوں۔ آپ مجھے ووٹ دیں، میں آپ کی جھونپڑیوں کو شیش محل بنا دوں گا۔ میں حکومت سے یہ کرا دوں گا، وہ کرا دوں گا۔ سادہ لوح عوام اسے کامیاب کراتے ہیں آگے لاتے ہیں لیکن وہ ان کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ پھر وہ پانچ سال کے بعد ان جھگیوں کا دورہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ اچھا پہلے مجھ سے غلطی ہوگئی اب آئندہ نہیں ہوگی۔ اور آپ جتنی چاہیں مجھ سے مراعات لے لیں۔ ان کی یہ حالت ہے۔ میں ایوان میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ پاکستان ان غریبوں کی دعاؤں سے جی رہا ہے یہ پاکستان ان غریبوں کی دعاؤں سے ترقی کر رہا ہے۔ ان مظلوموں کی دعاؤں سے تو عرش الٰہی بھی کانپ اٹھتا ہے اور تمہارا جاہ و جلال کا پتھر دل کیوں موم نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پاکستان کے غریب عوام کو وہ حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو کہ دوسرے شخص کو حاصل ہوتے ہیں، میں افسروں، صنعتکاروں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کی بات نہیں کرتا ہوں۔ میں صرف انسانیت کی بات کرتا ہوں کہ انسانوں کے حقوق برابر ہونے چاہئیں مساوات ہونی چاہیے لیکن مساوات محمدی ہو، مساوات بندگی اس ملک میں نہیں ہونی چاہیے۔

[Maulana Kausar Niazì]

جناب والا! پاکستان میں اربوں روپے کا بجٹ پیش ہونا ہے کہ ہم اس مد میں میڈیکل الاؤنس دیں گے۔ اور ہسپتال قائم کریں گے، ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں بہت بڑے بڑے اشتہارات آتے ہیں لیکن ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور غریب وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ بیوہ اور یتیم بچے بھی علاج معالجے کی بنیادی سہولت سے محروم ہیں۔ ان کو جو کونین اور تھوڑی سی دوائی ملتی ہے اس سے ان کا مرض دور نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں کہ خدارا آپ ان غریب عوام کے حالات پر رحم فرمائیں اور اس پر نظر ثانی کریں اور ہم وہ معاشرہ قائم کریں کہ جس طرح حضرت سلمان فارسی کا معاشرہ تھا اور جس کا نمونہ حضرت سلمان فارسی تھا وہ مدائن کا گورنر تھا اور وہ مزدور گورنر تھا۔ وہ سادے لباس میں بازار میں جاتا ہے اور ایک آدمی اس کو گھاس کا گٹھا اٹھانے کے لئے کہتا ہے لیکن وہ گورنر اسے یہ نہیں کہتا کہ تم کون ہو مجھے یہ کہنے والے اور وہ بسم اللہ پڑھ کر گھاس کا گٹھا اٹھاتا ہے اور جاتا ہے۔ راستے میں کوئی پہچانتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائی صاحب یہ تو مدائن کا گورنر ہے حضرت سلمان فارسی ہے آپ اس کو کیسے مزدور بنا رہے ہیں۔ وہ شخص شرمندہ ہوتا ہے معافی مانگتا ہے۔ لیکن گورنر نے یہ نہیں کہا کہ آپ اس کا چالان کر کے سخت جیل میں پہنچاؤ اور اس کو سخت اذیت دو۔ اس نے کہا کہ یہ معاشرہ ہے اس کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ اس رعایا کی فریاد سننا میرا فرض اولین ہے لیکن آج کا گورنر اگر اپنے گورنر ہاؤس میں بوٹ کے تسمے باندھتا ہے تو پورا روڈ بلاک ہوتا ہے کہ گورنر صاحب گزر رہا ہے وزیر صاحب گزر رہا ہے اور ایک جیپ آگے چیختی ہے اور ایک جیپ پیچھے چیختی ہے اور اس چیخ و پکار سے وہ گزر رہا ہے لیکن کیا ہم نے اس طرح کی مساوات دیکھی ہے کیا ہم نے اس معاشرے کو بھی دیکھا ہے۔

جناب والا! خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو مراعات بڑے بڑے افسروں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ملتی ہیں تو وہی مراعات کم از کم اس کا عشر عشیر غریب ملازمین کو ملے شکریہ

سردار خضر حیات خان: جناب چیئرمین! میں ایک ترمیم پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے

This House may discuss the Government Medical Policy prevalent in the country

میں چاہتا ہوں کہ صرف سرکاری ملازمین کی طبی سہولتیں ہی ڈسکس نہ کی جائیں بلکہ پورے ملک کی طبی پالیسی پر بحث کی جائے۔ سرکاری ملازمین آبادی کا ایک فیصد بھی نہیں بنتے بلکہ آدھ فیصدی سے بھی کم ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ میں موور صاحب سے یہ درخواست کروں کہ وہ مان جائیں کہ یہ میڈیکل پالیسی as a whole اس ایوان میں ڈسکس کی جائے کیونکہ جیسا کہ میرداد خیل صاحب نے کہا ہے وہ صرف سرکاری ملازمین کے متعلق ہے اور باقی لوگوں سے متعلق نہیں ہے اس وقت ضرورت یہ ہے کہ عوام کو حاصل ہونے والی طبی سہولتوں پر بحث کر کے یہ دیکھا جائے کہ ان میں کیا کیا درستگی کی جا سکتی ہے اس لئے میری یہ درخواست ہوگی کہ اس وقت ملک میں جو میڈیکل پالیسی ہے اس کو as a whole ڈسکس کیا جائے سرکاری ملازمین کو تو پھر بھی کہیں طبی سہولتیں مل جاتی ہیں لیکن غریب عوام کو تو کہیں سے یہ کوئی بھی نہیں ملتی یہاں پر یہ کہتے ہیں کہ پولی کلینک اور دوسرے ہسپتالوں میں عوام کا بہت رش ہوتا ہے لیکن اس رش کے باوجود ان کو کچھ نہ کچھ تو دوا مل جاتی ہے لیکن دیہاتوں میں بعض جگہ لوگ مر جاتے ہیں اور ان کو ایک ٹیکہ نہیں ملتا دوا نہیں ملتی۔ اس لئے میری یہ درخواست ہوگی کہ یہ ایوان میڈیکل پالیسی as a whole ڈسکس کرے تاکہ عوام کو اس کا کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ میں ان الفاظ کے ساتھ موور سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ اور یہ ایوان اس صورت میں overall میڈیکل پالیسی ڈسکس کرے۔

Mr. Chairman : Would you like to say something?

Mr. Javed Jabbar : Yes. Mr. Chairman, I will just go in to respond to this proposal to amend the motion by pointing out that there is a Senate Special Committee on the Medicine Sector and perhaps when it completes its report even though it does not deal with medical facilities but it does deal with the aspects of medicine perhaps that would be the appropriate time to discuss the overall medical policy in the country and that this motion even it relates to certain small segments of the population, nevertheless, is valid and relevant for discussion.

Mr. Chairman : I would like to draw Sardar Sahib's attention to some technical difficulties. What we are discussing today is a motion under Rule 194 which has substituted the old Rule 187. I will read out the Rule ;

> "A motion that the policy or a situation or a statement or any other matter be taken into consideration shall not be put to vote of Senate, but the Senate shall proceed to discuss such matter immediately after the mover has concluded his speech and no further question shall be put at the conclusion of debate at the appointed hour unless a member moves a substantive motion in appreciate terms to be approved by the Chairman and the vote of the Senate shall be taken on such motion.

So, this relates to one specific matter which the move had given notice of 'should be discussed in the House', what you are saying would require a different type of a motion and for that, a separate discussion may be justified. But I think, when a motion under Rule 194 is admitted, it does not admit of any amendment. It has to be discussed in that very form, in which the mover has moved it and which it has come up under Rule 194 before the House. So, I think, it does not admit of any amendment at this stage.

مولانا کوثر نیازی: جناب چیئرمین! آپ نے بجا فرمایا یعنی مقصود یہ ہے کہ سرکاری ملازموں کو جب یہ فیسیلٹیز مل رہی ہیں۔ تو عام آدمی غریب کا کیا حال ہوگا۔

Mr. Chairman : I am trying to make a distinction between a resolution and a motion under rule 194.

آپ کا فرمانا بالکل بجا ہوتا اگر مولانا صاحب کا یہ ریزولیوشن ہوتا جو کہ ہاؤس ڈسکس کر رہا تھا ۔ یہ ریزولیوشن نہیں ہے ۔ انہوں نے ایک specific matter کے متعلق ہاؤس کی توجہ دلائی ہے ، حکومت کی توجہ دلائی ہے اور اسی کو صرف ہم نے ایڈمٹ کیا ہے under Rule 194 for the purposes of discussion. تو یہ اس ٹائپ کا ریزولیوشن نہیں ہے which admits of amendments. تو میں معافی چاہوں گا ، یہ ترمیم اس سٹیج پر relevant نہیں ہے لیکن

You are free to bring a separate resolution on that subject. Professor Khurshid Sahib.

پروفیسر خورشید احمد : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ جناب چیئرمین ! میں بھی محترم کوثر نیازی صاحب کی اس موشن پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں ، میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بہت ہی بروقت اور ایک اہم مسئلے کی طرف اس ایوان کی اور اس ایوان کے ذریعے حکومت کی اور پوری قوم کی توجہ مبذول کرائی ہے ۔ یہ اسلامی معاشرے کا بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات زندگی پوری ہونی چاہیں اور ان بنیادی ضروریات میں خوراک ، رہائش ، علاج اور تعلیم شامل ہیں ، کچھ فقہاء نے اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہا ہے کہ ایک شخص جب اس لائق ہو جائے کہ وہ ازدواجی زندگی گذار سکتا ہو اور محض وسائل نہ ہونے کی بنا پر شادی نہ کر سکتا ہو تو یہ بھی مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ اسے خاندان قائم کرنے کی ضروریات فراہم کر کے دے ۔ امام شاطبی نے خصوصیت سے اس پر بڑی بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ ان ضرورتوں میں سے ہے جس کے بغیر کوئی معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ قرار نہیں دیا جا سکتا ، اس لئے جناب والا ! ہمارے لئے یہ بڑا اہم مسئلہ ہے کہ ہم نے نہ لوگوں کے خوراک کے معاملات کو سوچا ، نہ ان کے مکان کی ضروریات کو سوچا ، نہ ان کی تعلیم کی ضرورتوں کو سوچا اور نہ ان کی صحت کی حفاظت کی ضروریات کو سوچا ، ہم دعوے تو اسلامی بہت کرتے ہیں ۔ لیکن جس قسم کا سرمایہ دارانہ معاشرہ ہم نے یہاں قائم کیا ہے اور جس قسم کی عدم مساوات رونما ہوئی ہے اور

[Prof. Khurshid Ahmed]

بڑھ رہی ہے ۔ یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے جناب والا ! کہ تقسیم کے وقت کے مقابلے میں آج ملک میں معاشی عدم مساوات بڑھ گئی ہے اگر آپ زرعی اراضی کو لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زرعی اصلاحات کے بعد خصوصیت سے ۱۹۶۰ اور ۱۹۷۰ کے عشروں میں یعنی وہ افراد ، آبادی کا وہ دس فیصدی ، جن کے پاس بڑے فارمز ہیں ان کی تعداد بڑھ گئی ہے اور وہ دس فیصدی جو سب سے لوئر حصے پر ہیں ان کی ملکیت زمین کی کم ہوئی ہے ۔ ۱۹۶۰ اور ۱۹۷۰ کے عشروں میں یہ فرق واقع ہوا ہے ، ہاوس ہولڈ سروے جو شائع ہوئے ہیں اگر ان کا آپ تجزیہ کریں تو آپ کو یہ عجیب و غریب چیز معلوم ہوگی کہ اگر سرمایہ دارانہ ۱۹۶۰ کے عشرے میں عدم مساوات میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے تو اس کے بعد نام نہاد اشتراکی ۱۹۷۰ کے عشرے میں اور نام نہاد اسلامی ۱۹۸۰ کے عشرے میں عدم مساوات بڑھی ہے ۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا سنجیدگی سے نوٹس لینے کی ضرورت ہے ۔

حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں بنائے جن کے نتیجے کے طور پر ایک فرد خود اپنی ضرورتیں پوری کر سکے ۔ لیکن اگر کسی وجہ سے وہ خود یہ ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا تو پھر یہ معاشرے کی ذمہ داری ہے ، یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اس کی یہ ضرورتیں پوری ہوں ۔ اور اگر اس کی وہ ضرورتیں پوری نہیں ہو رہیں تو آپ اس ملک کے ایک عام شہری کو وہ مواقع ہی نہیں دے رہے جن کی موجودگی میں وہ اپنا صحیح کردار ادا کر سکے ، تو جناب والا ! صحت کا تحفظ ، علاج کی سہولت تمام شہریوں کے لئے اور بدرجہ اتم سرکاری ملازمین کے لئے سرکاری ملازمین وہ افراد ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں سرکار کی خدمت کے لئے وقف کی ہیں ، بلاشبہ آج ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ لوگوں نے سرکاری مناصب کو غلط استعمال کیا ہے اور جو جتنا زیادہ صاحب اقتدار و اختیار ہے بدقسمتی سے اتنا ہی زیادہ اس نے غلط استعمال کیا ہے ، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے ابھی ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ان کو جو پہلے آئینی تحفظ حاصل تھا ہم نے اس سے ان کو محروم کر دیا ہے ہم نے اس بات کا لحاظ نہیں کیا کہ ان کی حقیقی ضروریات

جائز آمدنی سے پوری ہوں اور حقیقت یہ ہے اور میں واقف ہوں ان لوگوں سے کہ ایسے ایسے افراد بھی آپ کی اس بیوروکریسی میں، انتظامیہ میں ہیں کہ جن کا درجہ ولی اللہ سے کم نہیں اس لئے کہ یہ افراد جائز روزی میں جس تنگی سے گزارہ کرتے ہیں اور جن مشکلات سے وہ دوچار ہیں ان کو دیکھ کر کے اندازہ ہوتا ہے کہ فی الحقیقت آج کے دور میں بھی لوگ حق پر، حلال پر قربانی دے کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل تاریک کر کے بھی تیار ہیں لیکن ایسے لوگوں کی مثال کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے لیکن اسلامی معاشرے کے اندر تو ہر انتظامیہ کے فرد کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ وہ اس کو ایک امانت سمجھے، وہ اس کو ایک ذمہ داری سمجھے لیکن پھر معاشرے کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی حقیقی ضروریات کو خوش دلی کے ساتھ پورا کرے تاکہ وہ اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام دے سکے لیکن یہ ہم نے نہیں کیا۔

اس میں سب سے زیادہ obnoxious چیز یہ ہے کہ ہم انسانوں کے درمیان ان کے نیشنل پے سکیلز کی مناسبت سے فرق کرتے ہیں، اگر نیشنل پے سکیل بیس کا ایک ملازم بیمار ہوتا ہے یا اس کا ایک بچہ بیمار ہوتا ہے تو اس کے لئے دوسری facilities ہیں اور اس کے مقابلے میں lower scales میں جو افراد ہیں ان کے لئے دوسری سہولتیں ہیں، میں یہ بات کسی جذبۂ افتخار کے ساتھ نہیں محض اللہ تعالیٰ کی تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ۔۔۔ International Institute of Islamic Economics جس زمانے میں اس کی صدارت کی ذمہ داریاں میرے اوپر تھیں غالباً وہ واحد ادارہ ہے جس نے اپنی میڈیکل پالیسی میں یہ بات طے کی کہ ہر ایک ملازم اور اس کی فیملی کے لئے میڈیکل facilities ایک ہی ہوں گی اور ایک پروفیسر کے لئے اگر اچھے سے اچھا ہسپتال استعمال کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے تو اسی طریقے سے ایک چپڑاسی اور ایک ڈرائیور کے بچے کے لئے بھی وہی سہولت ہونی چاہیے اس کو بھی یہ ضرور دینی چاہیے اور عملاً ہم نے یہ کیا کہ جس ڈرائیور جس چپڑاسی کو جس نوعیت کی میڈیکل ایڈ کی ضرورت تھی خواہ اس کے اوپر ہزاروں روپے خرچ

[Prof. Khurshid Ahmed]

ہوئے، ہم نے فراہم کی۔ جیساکہ میں نے عرض کیا صرف تحدیث نعمت کے طور میں یہ بات کہہ رہا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری حکومت کی مستقل پالیسی ہونی چاہیے کہ ہم تمام انسانوں کو بحیثیت انسان ٹریٹ کریں۔ اس کے اندر کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے اور حقیقت یہ ہے کہ جو بھی بیمار ہے اور اس کی جو بھی بیماری ہے اس کا علاج ہونا چاہیے اگر ہم یہ نہیں کر سکتے تو پھر ہم ان لوگوں سے کیسے توقع رکھیں کہ یہ اپنی بہترین صلاحیت، اپنے بہترین جذبات، اپنی تمام قوتیں ایمانداری کے ساتھ، انصاف کے ساتھ اس قوم کی خدمت کے لئے صرف کر سکیں گے۔

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی اہم تحریک ہے اور ہمارے لیے لمحہ فکریہ فراہم کرتی ہے تو حکومت کو اس معاملے میں سوچنا چاہیے اور یہی دراصل وہ تمام چیزیں ہیں جن میں ہمیں لکیر کا فقیر نہیں ہونا چاہیے، یہ status quo قابل فخر نہیں، اس status quo کو ہمیں بدلنا چاہیے اور بدلنے کے لیے جب تک کہ آپ اس بات کی کوشش نہ کریں کہ لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات میسر آئیں اس کے بعد ہی پھر ہم ان سے جائز طور پر یہ توقع رکھیں گے کہ وہ اس ملک کی اپنے دین کی اپنے لوگوں کی خدمت میں خون پسینہ ایک کر دیں۔ جناب والا! میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی روزی دے دو اس کی پوری پوری روزی، اس کا حق نہ مارو اور خود اپنے ملازم کے بارے میں یہ کہا کہ جو تم کھاتے ہو اُس کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو اس کو پہناؤ اور اگر کام کا بوجھ اس کے اوپر زیادہ ہو تو خود بڑھ کر کے اس کی مدد کرو اس بوجھ کے اٹھانے میں یہ تو ہے اسلام۔ لیکن ہم کہاں ہیں ہماری priorities کیا ہیں اور کیا فی الحقیقت ہم سوچنے کے لئے بھی تیار ہیں کہ ہمیں اس status quo کو بدلنا ہے اور ایک ایسا نظام لے کر آنا ہے جس میں تمام انسانوں کو ان کے حقوق مل سکیں۔

جناب والا! میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس امر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ سرکاری ملازمین کو خاص طور پر کم از کم نقطہ آغاز بنا لیجئے۔ مجھے سردار صاحب کی

تجویز سے اتفاق ہے کہ ہمیں پورے ملک کے لیے سوچنے کی ضرورت ہے۔ لیکن نقطہ
آغاز کے طور پر سرکاری ملازمین سے یہ کام شروع کیجئے اور وہ یہ ہے کہ ان کو مکمل
medical facilities حاصل ہوں جس نوعیت کی بیماری ہو اُس نوعیت کے مطابق علاج
کیا جائے اور ایک طرف accountability ہو تاکہ لوگ اسے misuse نہ کریں
اور دوسری طرف ضرورت مند کی ضرورت ہمدردی کے ساتھ بروقت پوری کی جائے یہی
وہ راستہ ہے جس سے ہم ایک صحت مند اسلامی معاشرہ قائم کرسکیں گے۔ شکریہ!

جناب چیئرمین : شکریہ جناب جاوید جبار صاحب۔

Mr. Javed Jabbar : Mr. Chairman, I believe that in moving this motion Maulana Kausar Niaza has helped to focus in microcosm the general aspects of the health policy of the Government. Because the application of a policy to a very restricted number of people which is what the number of Government employees is in the country, also throws into relief the overall policy of the Government towards the provision of medical facilities to the population and it is ironical also, I think, that this is a motion that is so emphatic and sympathetic to the cause of those aspects of the administrative structure which are often constantly criticised in Parliament and it shows, therefore, a very impartial and humanistic attitude on the part of the mover of the motion. But Mr. Chairman, I think that the motion also interestingly enough focuses attention on the fact that the government employee in Pakistan at whatever level whether Junior or Senior enjoys a curious status. In a country like Pakistan a government employee is amongst the most privileged people of the country even a person in the lowest grades of the administrative structure. Because there is a security of employment, there is a degree of social status. There is an overall feeling of permanence to his career prospects which possibly no other category of employee in the country enjoys. So, the public perception of government employees and the facilities provided to them is that they belong to a privileged class.

[Mr. Javed Jabbar]

Now, I know that the thrust of the motion concerns the lower echelons of the administrative structure but nevertheless we must be fair to the rest of the population and we must realized that even where there is great scope for improvement in the provision of medical facilities to government employees even in the present state, they neverthless constitute a more privileged class than the rest of the country. Because as I said at the outset if you look at the provision of health facilities to the bulk of the population there are grave anomalies and discrepancies by which the whole concept of health care has become simply that of setting up structures which cost a great deal of money but end up as mere dispensers of medicines and prescriptions. Where people are virtually imprisoned in a diet of drugs and injunctions and where health has become synonymous with the consumption of various items prescribed by doctors. And this is, I think, particularly evident when you visit some of the institutions run by the Provincial Governments as well as by the Federal Government. I live in a city where we have the Jinnah Post Graduate Medical Centre which is called a Post Graduate Medical Centre but which really serves as the leading public hospital of the city and which is primarily meant for the benefit of Government employees but the inability of Government to provide this particular centre with resources and facilities which it deserves in view of the growth of Karachi is a fine illustration of the problems highlighted by the moving of this motion.

The motion also brings into question a basic point of sectoral allocations for health because if he feels that the provision of facilities for government employees is inadequate, it raises the question as to where additional resources are to be found, at a time when non-development expenditure has been galloping ahead and where we are now forced to borrow in order to meet non-development expenditure. The question arises and there can be no dispute with ideal principle of improving health care facilities for Government but how is this to be done? Is this to be done by further borrowing? Is this to be done at the expense of other priorities such as education or other local governmental services? Because it is felt that afterall the private provision of health services in this country at various levels, the allopathic, the homoeopathic, the traditional, are in a way quite inadequate to handle whatever the needs of the population are but specifically with reference to government employees, the question arises whether simply a complaint be enough.? We know for a fact that sector like higher education

is suffering today because of a desperate shortage of financial resources and unless there is a major and thorough overhaul of our fiscal policies, of our financial policies in the foreseeable future this Government or any Government does not have the means to improve medical facilites for government employees.

Thereore, it focuses the attention of this House on the need for an entirely new approach to the provision of health care facilities for government employees in the first instance as an experimental test basis and if that works, we expand it and replicate it on a larger bases and I propose that a national medical insurance programme be considered by the Government. A national medical insurance programme which begins by identifying government employees as the primary segment and derives lessons from the experience of the United States particularly where medical insurance has been demonstrated to be more efficient and effective. Now, in advocating a national medical insurance programme it is vital that this such a programme be operated by the private sector because the state of affairs in publicly run hospitals whether at the federal level or the provincial level and a comparison with privately managed clinics and hospitals clearly shows that there is no way in which we will be able to achieve the targets of efficiency and justices in the provision of medical facilities for government employees. If we once again make the conceptual mistake of giving this also into the public sector. I think, there is a tremendous initiative and talent available in what has come to become, I think what has become in the last few years medical entrepreneurship in various cities of this country, you find a number of very well run private clinics and hospitals which are efficient because they are run on a profit motive but which also demonstrate that the management of medical institutions is as specialized a function as the management of private companies for commercial profit and if we could take some lessons from this expeerience and try to formulate a medical insurance programe and see whether in the first instance employees of the federal Government could be benefited, we could then extend it to include the four provincial Governments and eventually hopefully the entire country.

Inevitably I think, this approach will cause some public concern as to why Government officials yet again should be the first beneficiaries of such programme when they are already amongst the privileged classes of this country. But because of the very difficult nature of a medical insurance programe and the economic consequences, I think,

with informed public debate and support from Parliament, the Federal Ministry of Health could consider this proposal. In advocating this proposal Mr. Chairman, one stresses the need for a quicker speed of response required by Ministry such as the Federal Ministry of Health. It is privileged at the moment to be headed by a gentleman who has had the pleasure of knowing more familiarly because of our work in the Special Committee and I think, the Ministry is privileged to have a person of his understanding and sympathy at this moment and I hope, that he uses this particular moment in his political position to implement changes in the Federal Ministry of Health which will ensure that it takes more urgent and rapid notice of developments that are taking place in this country. Just as a minor example it has been reported that it takes as long as two and half months sometimes for the Federal authorities to respond to a complaint where the first really known case of aids was reported in Karachi, and it took as long as two and half months for the Ministry to actually to respond to the letter, a confidential letter written by the practitioner concerned. We cannot afford a two and half months response scale on a disease that can be of epidemic proportions.

Currently, Karachi and Sind are going through another fearful which is the viral meningitis epidemic and the speed of response show by the Federal as well as the Provincial Governments is most unfortunate. In fact, one notices that there are advertisementsbeing published by private medical practitioners advising the people on what inoculations they have a protective action to take whereas the visibility of Government's response is most inadequate. So, even though the subject that I have referred to is not directly relevant to the provisions of medical facilities for government servants I am only trying to make the point that the Federal Ministry of Health must see itself as a kind of emergency Ministry--ready to respond at the drop of a hat when it is known that a subject of grave public concern is about to threaten public health but equally with something like the provision of medical facilities for government employees which is a forty years old practice. The challenge before the Minster is to respond quickly to some of the observations made by the mover of the motion and try to formulate an appropriate response.

Thank you.

Mr. Chairman : Thank you. May I now turn to the honourable Minister with a request to wind up the discussion.

سید سجاد حیدر (وزیر صحت): شکریہ جناب چیئرمین! میں سب سے پہلے فاضل محرک کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور میں ہمیشہ یہ سمجھتا رہا ہوں کہ وہ اپنی تحریک کے لیے کوشش کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں مگر مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے جو مرکزی نقطہ تھا اس کی طرف ہماری توجہ مبذول نہیں کرائی اور نہ ہی خود توجہ فرمائی ہے۔ سرکاری ملازمین یعنی فیڈرل گورنمنٹ کے جتنے ملازمین ہیں ان کو طبی سہولتیں سنٹرل سروسز میڈیکل اٹینڈینس رولز ۱۹۵۸ کے تحت فراہم کی جاتی ہیں۔ اس قانون کی طرف انہوں نے قطعاً کوئی توجہ مبذول نہیں کرائی کہ اس کے اندر بنیادی نقائص کیا ہیں اور یہ ایوان جو کہ مقننہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے دائرہ اختیار میں یہ بات آتی ہے کہ اس میں اصلاح کا پہلو نکالا جا سکے۔ اس کے علاوہ جناب والا! میرے فاضل دوست نے خصوصی طور پر اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ جو درجہ چہارم تک کے ملازمین ہیں، وہ طبی اعتبار سے عدم توجہی کا شکار ہیں، میں اس طرف تو بعد میں آؤں گا کیا میں فاضل محرک سے یہ پوچھ سکتا ہوں کہ میں نے بحیثیت رکن پارلیمنٹ کے ۱۹۸۵ میں حلف لیا اور میں نے اور تمام اراکین پارلیمنٹ نے سنٹرل سروسز میڈیکل اٹینڈنس رولز کے تحت سہولتیں حاصل کی ہیں۔ کیا یہ اس طرف بھی توجہ فرمائیں گے کہ میں نے اس اثنا میں طبی سہولتیں کس حد تک حاصل کیں، میں اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرتا ہوں کہ یہ آئندہ اجلاس میں اس طرف توجہ فرمائیں کہ ان قوانین کے تحت جو طبی سہولتیں اراکین پارلیمنٹ کو دی گئی ہیں اس سے کس حد تک استفادہ ہم لوگوں نے کیا ہے۔ ہم بھی تو فیڈرل گورنمنٹ سے ہی متعلق ہیں، اور انہی قوانین اور اسی ضابطہ کے تحت، ہمیں یہ سہولتیں فراہم کی جاری اور آپ کو اس سے اندازہ ہوگا میں اپنے آپ

[Syed Sajjad Haider]

سے بحیثیت وفاقی وزیر مخاطب نہیں ہوں بلکہ میں اپنے آپ کو احتساب کے لئے اس اعتبار سے پیش کر رہا ہوں کہ میں بھی رکن پارلیمنٹ ہوں۔ آپ کی توجہ میں اس طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ گزشتہ تین برس کے اندر میں نے بحیثیت پارلیمنٹ کے ایک رکن کے، اس سے استفادہ کیا ہے یا میں نے اس فسیلیٹی کو mis--use کیا ہے۔ میں ان کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

جناب والا! جہاں تک طبی سہولتوں کا تعلق ہے، میں اپنی بات کو مختصراً کروں گا اور محدود رکھوں گا اس متن تک، جو کہ اس موشن سے تعلق رکھتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں فخر سے اور دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جو طبی سہولتیں آج وفاقی ملازمین کو میسر ہیں وہ شاید اس سے پہلے تاریخ میں کبھی حاصل نہ ہوں گی۔ فاضل رکن کے علم کے لئے میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ آج وفاقی حکومت کے پاس مجموعی طور پر پانچ ہاسپٹلز ہیں، اور یہ ایسے ہاسپتال ہیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جو طبی سہولتیں ہم وہاں فراہم کر رہے ہیں اس پر کم از کم مجھے تو فخر ہے، وہ محسوس کریں یا نہ کریں۔

ان اداروں کا نام یہ ہے کہ (۱) پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز جو کہ اس شہر میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا ہاسپٹل، جسے پولی کلینک کہتے ہیں وہ بھی یہاں موجود ہے۔ میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ یہاں کتنے بیڈز کی سہولت ہے۔ ہسپتال میں ڈاکٹروں کی تعداد کیا ہے، مگر میں یہ بات تسلیم کرنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ ہمارے نقائص خصوصی طور پر پیرا میڈیکل اسٹاف کی کمی کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہماری طبی سہولتیں اس معیار کی نہیں ہیں جو ہونی چاہیں

جہاں تک ادویات کی فراہمی کا تعلق ہے، اس ضمن میں، میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جو سہولتیں آج میسر ہیں، یہ اس سے پہلے کبھی بھی میسر نہ تھیں۔ صورت حال یہ ہے کہ درجہ ایک سے لیکر پندرہ تک تمام ملازمین کو ۵۰ روپے ماہوار کے حساب سے میڈیکل

الاؤنس غالباً جولائی ۱۹۸۷ سے دیا گیا ہے اس کے علاوہ جو ہاسپیٹلز کی فارمولری ہے، اس کے اندر تمام ادویات فراہم کی جاتی ہیں اور اس میں، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کمی کبھی نہیں ہوئی۔ اس بات کا مجھے اعتراف ہے کہ پروسیجرل معاملات ایسے ہوں گے، انتظامی امور ایسے ہوں گے کہ جن کے اندر ملازمین کو ادویات حاصل کرنے میں دشواریاں پیدا ہوتی ہوں گی مگر میں یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں بلکہ میں اس بات پر شدت سے اصرار کرتا ہوں کہ ہمارے پاس ہاسپیٹلز کی فارمولری کے مطابق ادویات ہیں اور وہ فراخ دلی سے فراہم کی جا رہی ہیں اور اگر نہیں کی جا رہی ہیں تو یہ مجھ سے شکایت کریں کہ کیا ان کو اور ارکان پارلیمنٹ کو اسی ضابطے کے مطابق نہیں مل رہی ہیں۔ جو ادویات موجود نہیں ہیں اور ایک مریض ہاسپیٹل میں ہے، خواہ وہ درجہ چہارم کا ہے خواہ اس کا پے سکیل ۱۵ ہے اسے اس دوا کی ضرورت ہے تو ہم اس کا انتظام کرتے ہیں، ہم وہ دوا اس کو بازار سے خرید کر بھی فراہم کرنے کے پابند ہیں اور فراہم کر رہے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ باہر یعنی بیرون ملک علاج معالجہ کے لئے ملازمین کو بھیجا جاتا ہے اور صرف ہائر گریڈ اور پے سکیل کے افراد کو بھیجا جاتا ہے، میں اس بات کی بھی صحت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات حقائق پر مبنی نہیں ہے، میرے ریکارڈ کے مطابق اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ گذشتہ ایک برس کے اندر سات ایسے اہلکاروں کو جو گریڈ ایک سے پندرہ تک کے تھے، وفاقی حکومت نے اپنے اخراجات پر بیرون ملک علاج معالجہ کے لئے بھیجا اور ان پر ایک خاصی معقول رقم خرچ کی۔ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ درجہ چہارم کے ملازمین کو بیرون ملک طبی سہولتیں فراہم نہیں کی جاتیں۔ اس کے لئے کچھ قوانین ہیں اگر وہ کہیں تو میں پڑھ دوں لیکن بات میری طویل ہو جائے گی میں اس ایوان میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اگر سپیشل میڈیکل بورڈ ایک سرکاری ملازم کے لئے سفارش کرتا ہے کہ اسے بیرون ملک بھیجا جائے تو ہم اسے بھیجنے

[Syed Sajjad Haider]

کے خود کو پابند سمجھتے ہیں۔ اگر وہی طبی سہولتیں ہمارے ملک میں موجود ہوں تو میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم اسے نہ باہر بھیجنے کے پابند ہیں اور نہ اخلاقی طور پر ہمارے اوپر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس ضمن میں، میں اس بات کا بھی اظہار کر دوں کہ پارلیمنٹ کے ارکان میں سے متعدد ایسے ارکان ہیں جن کو ہم نے refuse کر دیا، انکار کر دیا۔ مثال کے طور پر حال ہی میں ایک ممبر پارلیمنٹ نے اس بات کی درخواست دی کہ مجھے باہر by pass کے لئے بھیجا جائے اس کے لئے سپیشل میڈیکل بورڈ تشکیل دیا گیا۔ اس نے جب اس کا ملاحظہ کیا تو اس نے کہا اس فاضل ممبر کو آپ کراچی بھیج دیجئے گا وہاں سے یہ angiography کرائیں۔ ممبر پارلیمنٹ نے اس بات پر اصرار کیا کہ مجھے angiography کے لئے بھی باہر بھجوائیں۔ چونکہ یہ خلاف ضابطہ اور خلاف قانون تھا تو ہم نے ان کو باہر نہیں بھیجا angiography کرائی ہوگی تو یہاں کرائی ہوگی۔ تو اس کے اندر جب وہ establish ہو جائے گا کہ by pass کے لئے انہیں باہر بھیجا جائے تو ہم اسے باہر بھیجنے کے پابند ہوں گے۔

میں ایک قدم آگے چل کر ایک سروس کے بڑے سینئر آفیسر کے متعلق یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ باہر گئے کسی delegation کے ساتھ گئے وہاں انہیں تکلیف ہوئی اور خلافِ ضابطہ انہوں نے اپنا علاج معالجہ کرایا اور واپسی پر آ کر جب انہوں نے ہمیں بل دیا ہم نے اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا کہ یہ طریقہ کار غلط تھا۔ اگر آپ کو باہر علاج کروانا تھا تو ہمارے میڈیکل آفیسر جو سفارت خانہ کے ساتھ وابستہ ہیں ان سے رابطہ کرنے کے بعد آپ فوری طور پر داخل ہو جاتے اور یہ ادائیگی اس کی وساطت سے ہم کرتے۔ جہاں تک قوانین اور ضابطے کا تعلق ہے جناب ہم اس کے پابند ہیں اس سے باہر نہیں جا سکتے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ طبی سہولتیں موجود ہیں۔ فیڈرل گورنمنٹ نے 5 ہسپتال قائم کر رکھے ہیں جن کے متعلق میں واضح کر دیتا ہوں outdoor اور indoor سہولیات بلا امتیاز ہمارے تمام

ارکان ، ممبران پارلیمنٹ ہوں اور ملازمین خواہ وہ فیڈرل گورنمنٹ کے ملازمین ہوں ، خواہ وہ ایک سے لیکر ۲۲ گریڈ تک کے کیوں نہ ہوں ہماری یہ اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ قانونی ذمہ داری ہے اور ہم اس سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں ۔ اس کے علاوہ ہم نے 44 ڈسپنسریاں اور 9 میڈیکل ہیلتھ سنٹرز قائم کر رکھے ہیں جو کہ تمام ملک کے اوپر پھیلے ہوئے ہیں ۔ فیڈرل گورنمنٹ کے ملازمین کو جہاں ہمارے ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی سہولیات میسر نہیں ، تو ان کے لئے یہ بھی میڈیکل قانون کے اندر موجود ہے کہ وہ صوبائی حکومت کے کسی ہسپتال کی طرف رجوع کریں اور ان کے جو اخراجات ہوتے ہیں ہم وہ reimburse کرتے کے پابند ہوتے ہیں اور کر رہے ہیں ۔

اس کے علاوہ جناب والا ! 23 ایسی ڈسپنسریاں ہیں جو کہ پولیکلینک ہسپتال کے انتظام و انصرام کے تحت قائم و دائم ہیں ۔ یہ جن 5 ہسپتالوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں سے دو یہاں اسلام آباد میں ہیں ۔ دو ہمارے ہسپتال کراچی میں یعنی ایک جناح پوسٹ میڈیکل سنٹر اور دوسرا National Institute of Cardiovascular Diseses جبکہ تیسرا شیخ زید ہسپتال لاہور میں ہے ۔ یہ تمام سہولتیں وہاں موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ ہم نے سرکاری ملازمین کے لئے چند ہسپتالوں کے اندر سیکنڈ شفٹ کا انتظام بھی کر رکھا ہے ۔ تاکہ ان کے لئے یہ سہولت موجود رہے کہ اگر وہ اوقات کار کے اندر وہاں نہیں جا سکتے تو ایوننگ شفٹ میں وہ جا کر اپنا علاج معالجہ کروا سکیں ۔ جناب والا ! میں فاضل رکن کے لئے یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان ہسپتالوں میں تین خود مختار ہسپتال ہیں ۔ تمام طبی سہولتیں ان میں موجود ہیں ، ان کے اندر سرجری ، میڈیسن ، گائنی ، Eye, ENT ، نیورو سرجری یہ تمام سہولتیں دی جا رہی ہیں ۔ اور میں یہ دعوے اور فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ آج یہ ہسپتال بہت عمدہ سامان سے لیس ہیں یعنی میں اگر یہ کہوں کہ

They are very well and excellently equipped.

[Syed Sajjad Haider]

C.T Scanos ہمارے اس وقت تین ہسپتالوں میں قائم ہیں۔ یہاں اسلام آباد PIMC میں موجود ہیں۔ شیخ زید ہسپتال میں ہے۔ JMPC میں یہ نصب کر دیئے گئے ہیں۔ ان تمام سہولتوں کی موجودگی میں ادویات جو ہماری ہسپتال کی formulary کے اندر موجود ہیں وہ بھی ہم نے فراوانی سے فراہم کر رکھی ہیں۔

اس بات کا میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہمارے پاس پیرامیڈیکل سٹاف کی کمی ہے اس کے اندر یہ تبدیلی لا رہے ہیں کہ Female نرسنگ کا ہمارے پاس خاطر خواہ انتظام نہیں مستورات آگے آنہیں رہیں ہم اب Male Nursing کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ چند ماہ کے اندر ہم کوئی معقول پیشرفت کر سکیں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ اگر فاضل رکن چاہتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی انقلاب لایا جائے تو میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ وہ Central Services Medical Attendance Rules 1958 کی طرف توجہ فرمائیں۔ چونکہ یہی ہمارے لیے دستور العمل ہے اور اس کے مطابق ہی ہم یہ تمام سہولتیں فراہم کر سکتے ہیں۔ اگر ضرورت ہے تو اس کے اندر تغیر اور تبدیلی لانے کی ضرورت ہے اور اس ایوان سے بہتر کون ادارہ ہو سکتا ہے کہ اس ضابطے کے اندر مناسب تبدیلی پیدا کی جائے۔ میں ان الفاظ کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

Mr. Chairman : This brings to the conclusion of discussion on the motion of Maulana Kausar Niazi Sahib

مولانا کوثر نیازی: پوائنٹ آف آرڈر سر! میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ ہاؤس کے اندر صرف بارہ تیرہ رکن موجود ہیں۔ یہ بڑی ناانصافی ہے۔ کم سے کم محمد علی خان صاحب کو تھوڑا سا ڈسپلن قائم رکھنا چاہیے۔

Mr. Chairman : I think already it is late in the day and considering the attendance in the House we would not be able to do justice to the next motion which stands in the name of Mr. Javed Jabbar.

So I think we may as well adjourn this sitting and the House would meet again at 6.30 p.m. on the 8th of March, 1988. Thank you. The House is adjourned

---

[The House adjourned to meet again at six thirty of the clock in the evening on Tuesday, March 8, 1988].